

محدث

وَرَكِبْنَا إِلَى الْمَسْجِدِ الْمَكِينِ
وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكَ بَكْرَتِهَا



مجلس التحقيق الإسلامي كاون بون لاہور

مذہب اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۷۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

83

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

لاہور

محدث

ماہنامہ

جلد ۱۰ جمادی الاولیٰ و الآخرہ ۱۴۰۰ھ عدد ۵-۶

فہرست مضامین

- ۱- فکر و نظر الحدیث و اصحاب الحدیث ادارہ ۲۱۸
- ۲- دارالافتاء اسلام میں گروہی ناموں کی حیثیت مولانا عزیز بیدی ۲۲۱
- ۳- نقد و بحث حافظ عبد اللہ محدث روپڑی کا فتویٰ اور مولانا عزیز بیدی کا تعاقب (آخری قسط) ۲۲۸
- ۴- تغیرات اسلام کیا مسلمان اور ذمی کی دیت یکساں ہے؟ مولانا برق التوحیدی ۲۳۰
- ۵- پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی عملی تدابیر پروفیسر حنفی منظور احمد ۲۳۹
- ۶- مقالات جہاد کی حقیقت ڈاکٹر سعید زابد علی داسطی ۲۵۴
- ۷- تزکیہ نفس میں قبرستان مولانا عبدالرحمن عابز ۲۵۳
- ۸- طب و صحت ہائی بلڈ پریشر یا فشار الدم قوی حکیم محمد شریف جگرانی ۲۹۰
- ۹- سید سوانح بزم رسالت کی چھ شمعیں جناب طبیب ہاشمی ۲۹۹
- ۱۰- تعارف تبصرہ کتب نقباء مہند جلد چہارم (اول) البشاہد ۳۰۹
- ۱۱- شعروادب وہ بعد مرگ محمد میں یہیں اتار آئے جلد پنجم (اول) سید جمال الدین افغانی طالب ہاشمی ۲۵۴
- ۱۲- اسرار احمد سہادری ۲۳۹

ناشر: حافظ عبدالرحمن مدنی، طابع: چودھری رشید احمد، مطبع: مکتبہ جدید پریس، قاسمہ جناح لاہور
ذریعہ سالانہ: ۵/۱۰ روپے، فی پرچہ: ۵/۱۰ روپے

بسم الله الرحمن الرحيم

ذکر و نظر

المحدث واصحاب الحديث

جہاں کچھ دوستوں کے لیے گالی بن گیا ہے وہاں وہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے اپنے اندر ہلکی کشتش بھی رکھتا ہے، کیونکہ یہ وہ مبارک لافوتی کیمو ہے، جس میں حامل قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر ہوتو تصویر دیکھی جاسکتی ہے اور وہ مبارک آئینہ ہے جس میں قرآن پاکؐ مرئی شکل میں شہود اور موجود کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی دیکھنا چاہے کہ اپنے دور کے عصری مسائل اور تقاضوں سے کیسے عہدہ برآ ہوا جاسکتا ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ اس نبوی عہد مبارک کے ۲۳ سال کا مطالعہ کیجیے جو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شب و روز کا امین ہے۔

اصحاب المحدث (اہل حدیث) یہ وہ تحریک ہے جس نے قرآن و حدیث کو ایک ساتھ لے کر چلنے پر خصوصی اصرار کیا اور ان لوگوں کی سخت مزاحمت کی جنہوں نے کتاب و سنت کی موجودگی میں اپنے گرد و پیش میں بھی کشتش محسوس کی۔ خاص کر یہ دیکھ کر کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کے ہوتے ہوئے دوسری غیر سرکاری شخصیتوں کے افکار اور اعمال کے مطالعہ میں کیوں کھو کر رہ گئے ہیں۔ جیسے وہ بھی ”فرستادہ خدا“ ہوں تو ان کو خدا کا واسطہ دے کر ان سے اپنے تعامل پر نظر ثانی کی اپیلیں کیں اور کیے جارہے ہیں اور ہر دور میں آگے بڑھ کر دنیا کے درپیش مسائل کے سلسلے میں کتاب و سنت کی روشنی مہیا کر کے یا لوسی سے بچایا ہے۔

جماعت اہل حدیث نے کتاب و سنت کے تحفظ، نشر و اشاعت اور تمام کے لیے ماضی میں جتنی اور جیسی کچھ روایات چھوڑی ہیں، وہ ان کی خدمات کا ایک سنہری باب ہے جیسے اقوام و ملل کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل رہے گا۔ تاریخ اسلام میں قرآن حکیم کے بعد جس موضوع کی تدوین، تہذیب اور تعمیم کی طرف سب سے پہلے توجہ دی گئی وہ علم حدیث کا موضوع ہے اور اس کی طرف سب سے پہلے جس گروہ نے توجہ دی وہ بھی طائفہ منصورہ یعنی اصحاب المحدث تھے، اور یہ وہ مبارک کاروان ہے جس نے احادیث کی تلاش میں روئے زمین کی خاک چھان ماری اور صفحہ ارضی پر پھیل کر چشم فلک کے درطیعت میں ڈال دیا۔ نہ جہنم کے کس کو دیکھا ہے کہ اب تک نگاہ آسمان سوئے نہیں ہے

حدیث کے سلسلے میں اصحاب المحدث نے پیدل جو سفر کیے ان میں صحرا اور دریا، پہاڑ

اور سمندر، سردی اور گرمی، غرض کوئی بھی جاں گسل مرحلہ ان کا راستہ نہ روک سکا، اور ان کے ان "رحلات" کو اس قدر مبارک تصور کیا گیا کہ ان کو دیکھ کر ہر شخص کی زبان سے بے ساختہ نکلے کہ انہی دیوانوں کے الٰہی اسفار میں دنیا کے دکھوں کی دوا بھی ہے۔ سرخیل اولیا، حضرت امام اعظمی کے تلمیذ رشید اور حضرت امام ابوسفیان ثوری اور حضرت امام اوزاعی کے شیخ حضرت ابراہیم ابن ادہم متوفی ۱۶۷ھ اصحاب الحدیث کے ان کاروانوں کا نظارہ کر کے بول اٹھے کہ:

ان الله تعالى يدفع البلاء عن هذه الامة برحلة اصحاب الحديث (مقدمہ ابن الصلاح)

اللہ تعالیٰ اصحاب الحدیث کے سفر کی برکت سے اس امت کی بلاؤں کو دور کرتا رہتا ہے۔ ایک تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ جن لوگوں کے شب و روز کتاب اللہ کے بعد حدیث پاک سیرت طیبہ کے مطالعہ کے لیے وقف ہیں واقعی اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے، ان کو مختلف مصائب اور ابتلا سے بچا لیتا ہے۔ حضرت امام ترمذی نے اپنی سنن کے بارے میں فرمایا تھا کہ "یہ ترمذی تریف (حدیث کی کتاب) جس گھر میں ہوگی اس میں گویا اللہ کے نبی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

من كان في بيته هذا الكتاب فكأنما بيني يتكلم (تذكرة الحفاظ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:-

دَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (پ۔ سورۃ انفال ۸)

اور (اے پیغمبر) خدا ایسا ہیے مروت) نہیں ہے کہ آپ ان (لوگوں) میں (موجود) ہوں اور (پھر) وہ (آپ کے ہوتے) ان کو عذاب دے۔

اصحاب الحدیث کو شرف بھی حاصل ہے کہ یہ خوش نصیب لوگ ساری امت سے زیادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھتے رہتے ہیں حضور کا ارشاد ہے کہ: تو پھر (یہ درود) تیری ذمہ داریوں اور بے چینیوں کو کافی رہے گا۔

اذا ليكي هلك ويكفر لك ذنبك (رداۃ المستمذی وقال حدیث حسن)

دوسرا اس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا جب کبھی بظاہر لائیکل مسائل سے دوچار ہوئی ہے۔ اصحاب الحدیث ہی نے کتاب و سنت کی روشنی میں ان کی دشگیری کی ہے اور قرآن و حدیث کی مشعلیں روشن کر کے غفلت خدا کو چل و سرکشی کے مہلک اندھیروں سے نکالا ہے۔ کیونکہ اصحاب الحدیث کا وجود دراصل وقت اور حالات کے داعی اور مقتضیات کا جواب ہے چنانچہ جن حضرات نے کتب احادیث کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے اپنے دور کے مسائل کو سامنے رکھ کر ترویج (عنوان)

مقرر کی اور لوگوں کو نبوی صل ہیا کیسے ہیں اور یہی ذمہ داری اب اس مبارک طائفہ کے جانشین موجودہ اہل حدیثوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ ماضی قریب میں اس جماعت کے رہنماؤں نے احادیث پر کام کر کے جو نمونے پیش کیے وہ اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ انھوں نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا ہے۔ ہاں یہ بھی ایک سانحہ ہے کہ اس میدان میں جو کام انفرادی طور پر افراد نے کیا ہے جماعت کی تنظیموں نے نہیں کیا۔

اب وقت ہے کہ اصحاب الحدیث میدان میں آگے آئیں اور شاہیں بانیں کے خول سے نکل کر ملک و ملت کو درپیش مسائل کے سلسلے میں کتاب و سنت کے حل پیش کریں، تحریر اور تقریر کے ذریعے چل اور بے خبری کے اندھیروں اور ظلمات کے پردوں کو چاک کریں اور اپنی تحریر اور تقریروں کے دائروں کو وسیع کریں۔ جدید ضرورتوں کے مطابق حسب حال کتابیں تدوین کر کے خلق خدا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ بالخصوص معاملات کے بارے میں ملک و ملت بلکہ نوع انسانی کو جو جدید الجھنیں درپیش ہیں، ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، بخدا ہمیں یہ دیکھ کر سخت اذیت ہوتی ہے کہ ہر منکر اور مدعی مسند ھ کی گندی لے کر میدان میں اتر آیا ہے اور کتاب و سنت کے بجائے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا کے مصداق اپنی اپنی دکانیں سجا کر خلق خدا کو اسلام کے نام پر نجی اغراض کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور جو اس کے بجا وارث ہیں یعنی اصحاب الحدیث وہ اپنی سرکاری حیثیت کا احساس کر کے دنیا کو ہمسہ گیر دعوت دینے کے بجائے چند سطحی امور کو اپنی مساعی جمیلہ کا ہدف بنا کر بیٹھ گئے ہیں بلکہ اس بحر بے کراں کو جو بڑے تنگ دامال میں محدود کر کے رکھ دیا ہے۔ یا للعجب!

بہر حال جماعت میں اب بھی ذرخیز ذہن، علم و حکمت کے حامل اور عصری ضرورتوں سے آگاہ اہل دل علماء اور فضلا موجود ہیں۔ ان سے کام لیا جاسکتا ہے، اگر ان افاضل اور اکابر کو موقع دیا جائے تو اندازہ ہے کہ ہم عصر حاضر کی سن ترانیوں کے سامنے شرمسار نہیں ہوں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصحاب الحدیث پہلے اپنی منزل متعین کریں پھر اس کے مطابق وسائل فراہم کیے جائیں اور اللہ پر بھروسہ کر کے ملک و ملت کو جو دارد چاہیے وہ پڑیہ شفا ان کو ہیا کر دی جائے۔

(عزیز زبیری)

اسلام میں گروہی ناموں کی حیثیت

المشارقة، الامارات العربیة المتحدة سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:-
۱۔ قرآن و حدیث میں امت محمدیہ کا نام "اسلم" تجویز کیا گیا ہے اور جگہ جگہ فرقہ بندی کی مذمت کی گئی ہے۔ اس لیے اب ہم کہیں نہ موجودہ تمام فرقوں کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق موجودہ جماعت المسلمین اور اس کے امیر کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانان میں اتحاد کے لیے کام کریں۔

۲۔ ایک شخص نماز پڑھ کر یا قرآن پڑھ کر یہ کہتا ہے کہ یا اللہ اس کا ثواب نفل شخص کو پہنچے کیا یہ ثابت ہے یا نہیں؟

سائل ابو محمد نسیم احمد بن عبدالحکیم ۷/۸ دہلی کالونی کراچی
مقیم حال، ص ب ۱۰۹۱ المشارقة، الامارات العربیة المتحدة (مختصر)

الجواب

وحدت ملت :- آپ کا خیال مبارک ہے، بشرطیکہ آپ اپنے طرز عمل سے خود ایک فرقہ بن کر نہ جائیں۔ بہر حال وحدت ملت ایک ایسی ضرورت اور فریضہ ہے، جس کے تقنا اور جیا کچھ کسی سے بن پڑے وہ گزرے اور ضرور ہی کیا جائے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے حضور حاضری دے کر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ نبی اسرائیل شرک و کفر میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنی تخمین کردہ اور قابل ذکر سامانی دریافت کے حضور جھک گئے ہیں اور وہ جس مجر العقول ایجاب سے ملک و ملت کی خدمت لے سکتے تھے اس کو منہ بنا کر پوجنے لگ گئے ہیں تو غصے اور جلال میں اگر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے اس کی باز پرس فرمائی کہ ان کی خبر کیوں نہ لی؟ تو انھوں نے جواب دیا:-

أَتَيْتُ خَيْتِي أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ تَوَفِّ قَوْلِي (لقا۔ طبع)

”مختصر“ میں اس بات سے ڈرا کہ آپ کہیں (واپس) آکر یہ (دہ) کہنے لگیں کہ آپ نے نبی اسرائیل میں افتراق پیدا کر دیا اور میری بات کا پاس نہ کیا۔“

خود فرمائیے یہ حوالہ شرک و کفر کا ہے بلکہ سیار قوموں کی طرح قدرت پسندی اور عبودیت پرستی جیسے روگ کا ماحول بھی ہے جس کے مفعول قمع کرنے کے لیے دوسری تقریباً ہر سنگینی اختیار کی جاسکتی ہے مگر یہ دیکھ کر انسدادی تدابیر اختیار کرنے سے کہیں وحدت ملت پر کوئی آنچ آجائے، کوئی اقدام نہ کیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری تک اٹھا رکھا۔ کیونکہ جو اقدام وہ خود فرماتے اس کے مخالفت اور موافق نتائج کو کنٹرول بھی وہ خود کر سکتے تھے۔ اسلام کا یہ زیرِ اصول ہے کہ جو اس پوزیشن میں نہیں ہوتے، انھیں ایسی اصلاحی تدابیر کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہوتی جن سے پیدا شدہ حالات کو کنٹرول کرنے سے وہ قاصر ہوتے ہیں اور ملی وحدت کو افتراق اور انتشار سے بچانے کی اپنے اندر سکت نہیں پاتے۔ ہاں جب حکومتیں اس فریضہ سے غافل ہو جاتی ہیں، اس وقت صرف ان افراد کو حکومت کے سامنے کلر سٹی بلند کرنے کا فریضہ اپنے ہاتھ میں لینا پڑتا ہے جو عوام پر اپنا اثر رکھتے ہیں اور وہ لوگوں کو غیر فرقہ وارانہ تبلیغ بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کو مجتمع رکھ کر ملت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ بھی کرنے پر قادر ہوں۔ چنانچہ قرآن حکیم ان تبلیغی مساعی اور اصلاحی تدابیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّوعُظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ طَرِيْقًا - (سورہ النحل ۱۲۵)

”آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف دعوت دیں (پر) حکیمانہ انداز اور اچھے نامی طرز کے ساتھ، اور ان کے ساتھ بحجت (بھی) کریں (تو) ایسے طور پر کہ دل کو سمجھانے والا ہو۔“

حکیمانہ اور نامحمانہ انداز اسے کہتے ہیں جو معقولیت رکھتا ہو اور دردمندانہ ہو ایسا نہ ہو کہ پرائے تو پرائے ہے، اپنے بھی سب کو کانوں پر ہاتھ دھرنے لگ جائیں کیونکہ اسلام میں ”ندمت“ مطلوب ہے مگر ایسے مرد پر کہ دنیا کے دل میں اتنی چلی جلتے ہاں اسے وقار کا مسئلہ بنا کر کشیدگی کو جنم دینے کے سامان کرنا، اسلام میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ افہامِ تفہیم کی راہ کھلی ہے مگر بالِ نوحہ تک جس سے نوبت پہنچے، اسلام نے وہ سب راستے مسدود کر دیے ہیں کیونکہ ملی وحدت کا خون کر کے اسلام کی خدمت کو ناکوئی خدمت نہیں ہے۔

مذہب اختلاف :- اس اختلاف سے مراد علمی اختلاف رائے نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک گزیر مقام اور حقیقت ہے جس سے کسی بھی معاشرہ کو مفر نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ اختلاف ہے جس سے ملت اسلامیہ ایک سے زیادہ دھڑوں میں بٹ سکتی ہو اور ہر فریق کو اپنے فرقہ و طرف باقاعدہ دعوت دینے کے لیے ہم چلائی پڑے اور اس رہبر سل میں یوں کھوجائیں کہ ان کا تحکام، تعمیر، ترقی، اس کی شیرازہ بندی اور اتمام تجدید کا فرضیہ عملاً ثانوی چیز ہو کر رہ جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سربراہ مملکت کی جی حاکمیت، اور ذاتی مصیبت کو شیوں کی بابت پوچھا کہ ایسے عالم میں کوئی کیا کرے؟ تو آپ نے صبر و حوصلہ کے ساتھ دہننے کی تلقین فرمائی اور فرمایا تفریق کے سامان نہ ہونے دیں کیونکہ دیں نہیں، بے دینی ہے۔

قلیصہ ناسہ لیس احد یفارق الجماعة شیراً فی موت الامات میتہ
جاہلیۃ (بخاری و مسلم)

بعض روایات میں آتا ہے کہ جب تک وہ غار کا پابند ہے اس کو نظر انداز کر دو (مسلم)
عرض یہ تھی کہ فرد کو اس کی حماقتوں کی سزایوں نہ دیں کہ پوری قوم کو اس کا خیارہ بھگتنا پڑ جائے۔
اس سے معلوم ہوا کہ کلامی مکتب فکر کے نام پر جو یا فقہی مذہب کے نام پر، صوفیانہ جذب و سوز کی طرف ہو یا سیاسی جماعتوں کی طرف ہو، بہر حال ان کی طرف یوں دعوت دینے اور ہم چلانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ ان کا امن ترانیوں کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا کلہ جامعہ اور وحدت غلط متاثر ہو بلکہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ جہاں عوام کی محنت، حوراء، بہتیس اور سامعی جمہور کی خون دین و ملت اور ملک اور قوم کے شجر طیبہ کے سب سے ذیلی شجر خبیثہ اور نجی نوعیت کی فرقہ وارانہ جھاڑوں کے سینچنے میں ہی صرف ہوتا ہو وہاں اس کے ہر نشان کو مٹا دیا جائے۔

مالا تا یعلوی ولا عثمانی - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان و کیمپوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک کا تعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھا اور دوسرے کا حضرت عثمان سے جس کی قیادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ بھی تھی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ علیؑ کے مشرب اور طریقے پر ہیں؟ آپ نے جواب دیا: نہیں! اور نہ ہی عثمان کے مشرب اور طریقے پر ہیں۔ رسول کے طریقے پر ہوں، ایک اور روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: نہ میں ملو ہوں

نہ عثمانی، میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے پر ہیں۔

قال معاوية لابن عباس: انت على ملة علي؟ قال لا، ولا على ملة عثمان، انما على ملة رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي رواية: قلت ما انا بعلوي ولا عثماني ولكن على ملة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم (الاحكام في اصول الاحكام لابن خزيمة ۱۶۲)

جداگانہ تشخص پر اصرار۔ یہ بات دراصل اس امر کی غماز ہے کہ ملت اسلامیہ کے اندر ایک ایسی تحریک یا مکتب جو اپنے ”جداگانہ تشخص“ پر اصرار کرتا ہے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اس کے لیے مزاحمت تک اتر آتا ہے تو اسلامی حکومت اور اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ اس سے ملی وحدت کو بھی نقصان پہنچتا ہے، اس کا شائبہ منتشر ہو سکتا ہے اور کتاب و سنت کی مرکزی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام بخاری اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ سنت کا لفظ کسی دوسری طرف منسوب کیا جائے، یہاں تک کہ سنۃ ابی بکر و سنۃ عوبھی کہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت بخاری اسے صحابہ اور تابعین کا تعامل بتاتے ہیں۔

قال: كان يكره ان يقال: سنة ابي بكر وعمر ولكن سنة الله عز وجل وسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم (ابن ماجہ ۱۶۱)

غرض یہ کہ: ملت اسلامیہ کے اندر اپنے جداگانہ تشخص پر اصرار یا اس کے قمار پر رقص اسلام میں بالکل ممنوع ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ غدارہ عمل کے دائرے اور خاکہ میں کسی غیر رسول کے افکار اور اعمال کے رنگ بھرنے کا میدان بھی ممنوع ہونا چاہیے کیونکہ اس طرح مرکز گزیر رجحانات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اس سے جداگانہ درباروں کا ایک غیر منظم سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو شیطان کی آنت سے بھی لمبا ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ نقصان دہ حالات آپ کے سامنے ہیں۔

یہ جداگانہ تشخص سیاسی دائرے میں ہو یا کلامی اور فقہی نوعیت کے دائرے میں بہر حال ملت اسلامیہ کی وحدت کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس سے دین و ملت کی خدمت نہیں ہوتی۔ اس کی تدبیر اور تفریق میں اضافہ ہوا ہے پہلے فقہی اور کلامی مذاہب کے نام پر ملت کی وحدت کے حصے بخرے ہوئے رہے ہیں۔ اب ان کی جگہ سیاسی جماعتوں نے لی ہے۔ مگر یہ سیاسی مکتب بعد میں آئے ہیں مگر خاتم المفسدین و التفریقین ثابت ہو چکے ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ وقت ہے

کہ ان تمام نسبتوں کا خاتمہ یہود جو اسلام اور حامل قرآن کے بجائے دوسری شعلیں روشن کر کے اور جدید بانگ درا تخلیق فرما کر اپنے اپنے جداگانہ قافلے ترتیب دے کر سفر کر رہے ہیں۔ خدا! ان کی باگیں موڑیں اور ان کو ہوش میں لاکر پھر سے بندہ حنیف بنادیں۔

ملت حنیفیہ۔ یہ ملت، ملت حنیف بھی ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ یکسو ہے اور ہر طرف، سمت اور دوسرے پروا عیہ سے منہ موڑ کر رب کی طرف منہ کر لیا ہے۔ جن لوگوں نے پیپلز پانی لیگ، جمہوری پارٹی، حنفی، شافعی وغیرہ وغیرہ نام پر جداگانہ سمتیں جیتا کر لی ہیں، انھوں نے نہ صرف ملی وحدت کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ اس کی روح حنیفیت کا بھی جھٹکا کیا ہے۔ ہم ہر حال جداگانہ تشخص کے نام پر ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے رجحانات کی حوصلہ افزائی سے قاصر ہیں۔ ان سے بیزار ہیں۔ انا براء منکم و مساتعبدون (المستعنة)

طائفہ منصورہ۔ حدیث پاک میں جس طائفہ منصورہ کی خبر دی گئی ہے اس سے مراد کوئی تنظیم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایک ایسی تحریک ہے جو گو وہ اصطلاحی اور معروف معنوں کے لحاظ سے تنظیم نہیں ہوگا تاہم وہ اپنے اعمال، افکار اور ضرب کاری کی یکسانیت کی وجہ سے ایک غیر ملکی تنظیم محسوس کی جائے گی گراں تنظیمی ڈھانچہ نہیں نظر نہیں آئے گا تاہم اس کی تخلیقات کے اثرات منظم اور مربوط ہر جگہ دیکھے جاسکیں گے۔ اس کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہوتے ہوئے اس کا کہیں مشابہ نہیں ہوتا کیونکہ پوری امت مسلمہ کے اندر اس کا جداگانہ تشخص اپنے اندر ایک فریق ہونے کی تبلیغ ضرور رکھتا ہے۔ اس لیے قدرت نے اس کو تنظیمی تشخص کے بجائے معنوی تشخص عطا کیا ہے کہ ان کی مساعی جمیلہ سے ملت اسلامیہ تعمیر ی رنگ تو پکڑ سکے اس سے اس کی تخریب اور تفریق کی سوتیں نہ پھوٹ سکیں۔

اگر آپ بھی اسی انداز سے ملت اسلامیہ کی وحدت اور دین مبین کے کلہر جامعہ کے اتمام کے لیے مساعی جمیلہ انجام دینا چاہتے ہیں تو مبارک ہے چشم مارشون دلِ ماشاء! لیکن اگر آپ جماعۃ المسلمین کے نام سے (مثلاً) ایک جماعت اور تنظیم قائم کر کے ملی وحدت کے لیے کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ بھی بجائے خود ایک فریق بن کر رہ جائیں۔ کیونکہ آپ کا جداگانہ تشخص، اور اس کی طرف آپ کی دعوت، یہ دو بجائے خود ایسے محرکات ہیں جن سے عصبیت اور تفرقہ پھوٹ سکتے ہیں ختم بہن اگر ایسا ہو گیا تو جس مرض کے علاج کے لیے آپ ایک جداگانہ تنظیم قائم فرمائی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ خود ایک فرقہ ہو کر آپ کے لیے درد سر بن جائے گی اور آپ قدر میں المطا قد

تحت المیزاب والی پھبتی کا ہدف ہو کر رہ جائیں گے۔

اہل حدیث۔ گو اہل حدیث کو کوئی شخصی نسبت نہیں ہے جیسا کہ دوسرے فرقوں کی بات ہے تاہم اگر اس نسبت کی قربانی دے کر دوسری فرقہ دارانہ نسبتوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے، تو ذائقہ طور پر مجھے اہل حدیث کہلانے پر اصرار نہیں ہے۔ دراصل اہل حدیث کا نام بھی تبلیہی نام ہے اور یہ تحریک بھی کچھ اسی قسم کے جذبات لے کر اٹھی تھی جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں کہ غیر رسول سے وابستہ دور ساری نسبتیں ملت اسلامیہ میں تفریق کی موجود ہیں اور کتاب و سنت سے دوری کی محک، اس لیے نام رسول اور حدیث نبی کے نام کی طرف دعوت دے کر پھر سے وحدت ملت کے اتمام کے سامان کیے جائیں! اہل حدیث کہلانے کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ اس بگڑے ہوئے ماحول میں یہ اعلان کیا جائے کہ ایک مسلم، قرآن مجید کو صرف حاملِ قرآن کے آئینہ میں دیکھنے کا پابند ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے خود اس کی طرف دعوت دی ہے فَقَدْ كَانَ مِنْكُمْ فِي رَسُولٍ اللَّهُ أَوْسَوْا حَتَّىٰ تَرَوْا بَيِّنَاتٍ مِّنْهُ يَكْفِي بِهَا لَكُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ (البقرة ۱۷۷) اور اس آئینہ میں مشاہدہ کرنے کا ہمیں حکم ملا ہے مَا كَانَ خَلْقَهُ الْقُرْآنَ (عائشة) (البقرة ۱۷۷) اور اس آئینہ ہی یہ نعرہ مستانہ بھی بلند کیا گیا کہ ہم سبھی پیماؤں اور گزروں سے ناپ تول کر قرآن حکیم کے مطابق اور مفاہیم پر بوجھ بننے سے بالکل بیزار ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تہنید اور تبلیہی نام ایسی شے نہیں ہے کہ اس سے کوئی بد کے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی فرقہ اپنے اپنے فرقہ کی شخصی نسبتوں سے دست بردار کے لیے ہم سے اس جائز نسبت کے اظہار کا مطالبہ کرتا ہے تو ہم اسے بھی خوش آمدید کہیں گے، جو نام اللہ کا ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہو کہ یریدہ دو عالم سے خدایک ہے

جیسا کہ اب موجودہ جماعت اہل حدیث کا حال ہے کہ اب وہ ایک تحریک کے بجائے ایک فرقہ بن کر رہ گئی ہے اگر وہی نعرہ لگا کر آپ کو بھی کل دہاں پہنچنا ہے جہاں پنج کر اب وہ ضائع ہو رہے ہیں تو پھر سوچ لیجیے! بہر حال تہنید جتنا بلند ہے، اس کے تقاضوں اور اس کے مکالم کو سر بلند رکھنا اس سے کہیں زیادہ اونچا منصب ہے اور اس سے بھی زیادہ اس کو نباہ دینا کٹھن مرحلہ ہے۔ یہ مرحلہ صرف بہت نہیں چاہتا، محسوس اور علم و حکمت کی وافر مقدار بھی چاہتا ہے۔ اگر حوصلہ ہے تو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے پوری طرح آپ تیار رہیں تو پھر بسم اللہ! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ایصالِ ثواب :- خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، مگر حضرت امام ابن تیمیہ اور حضرت امام ابن قیم کے بیانات سے اس کی گنجائش نکلتی ہے۔ تاہم اپنے طور پر اس اسلوب سے علم ظن نہیں ہیں۔

اگر کسی کا کیا کروا مرنے کے بعد کسی کے کام آ سکتا ہے تو مرنے والوں کو اپنی کوتاہیوں کے سلسلے میں کچھ زیادہ نہ کر مندھونے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر لیسہندگان اور متوسلین کے ناخن ایصال سے مرنے والوں کی اخروی گرہیں کھل سکتی ہیں تو ان کو اور کیا چاہیے، خاص کر مال داروں اور جاوہ و دولت کے تسبیح خوانوں کے لیے تو یہ مشکل اور ہی آسان رہے گی۔ سرمایہ داروں کے پاس مالی ڈالیاں و افراد تسبیح خوانوں کے پاس ”مٹی“ بڑے۔ خدا ان کا کیا کرے گا، ہر رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

ہاں بعض پہلو ایسے ضرور ہیں جن کی وجہ سے کسی کی برزخی صورتوں میں مدد کی کوئی سبیل نکل آتی ہے۔ لیکن ان کی نوعیت مردہ ختمی ایصالِ ثواب سے کافی مختلف ہے۔ کچھ کا تعلق دعا سے ہے، یہ واقعی کافی مفید رہتی ہے (شکوۃ) اور کچھ کا تعلق ایسے امور سے ہے جو مرنے والے کے سامنے تھے مگر بوجہ ایسا نہ کر پائے تھے کہ موت آگئی چنانچہ متعین نے ان کی طرف سے ان کا یہ قرض چکا دیا یا ان کی بعض خدمات ایسی تھیں جن کی انا دی حیثیت کا سلسلہ ممتد تھا اور وہ ان کے لیے صدقہ جاریہ کا کام دے گئیں۔ بہر حال اس قسم کی چند صورتوں کے ماسوا ایصالِ ثواب کی اور مثنیٰ بھی صورتیں رواج پا گئی ہیں ان کو دینِ مبین سے کم نسبت ہے بلکہ انھیں عجم سے درآمد کیا گیا ہے جیسا کہ دوسری بہت سی رسومات درآمد کی گئی ہیں اور یہ صورتیں سترتا یا فریبِ خیر صورتیں ہیں، جنہوں نے بے علمی کی سنگینی کو بالکل ہلکا اور بے وزن کر کے رکھ دیا ہے۔ الحمد للہ! الحمد للہ!

ہم بہر حال موجودہ حالات میں باخصوص ان جھوٹے سہاروں کی حوصلہ افزائی کے حق میں نہیں ہیں، ہمارا یہ نعرہ ہے کہ: جو بولہ لگے وہ کاٹو گے ورنہ خالی ہاتھ رہو گے۔ ان بیس لاکھ انسان الاما سحی (قرآن) اور ہم یہ بھی سفارش کرتے ہیں کہ: اب اس نعرہ کو اور تیز تر کر دیا جائے تاکہ جو سو رہے ہیں وہ جاگ اٹھیں اور جو جھوٹے سہاروں کے سہارے بے عملی کے رو گی ہو رہے ہیں وہ نازہ دم ہو کر پھر سے سرگرم عمل ہو جائیں۔ سہ

فواد تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی داتیز ترمی خواں چو محل را گراں عینی

حضرت یقین عمل۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو مرنے کے بعد ان کے سانس
سلسلے ختم ہو جاتے ہیں۔ صرف تین عملوں کا ثواب ان کو پہنچتا رہتا ہے۔ ۱۔ صدقہ جاریہ ۲۰۔ علم جو پڑھ گئے ۳۔ اولاد کو
اخراجات ابن آدم القطع عن عملہ الا من ثلث (۱) صدقہ جاریۃ (۲) او علم یتفع بہ۔

(۴) اولیٰ صالح یدعوه (اخرجه مسلم) و ابوداؤد و غیرها)

اب آپ غور فرمائیں جب آپ کا ارشاد ہے کہ: اور کوئی چیز ان کو نہیں پہنچتی تو آپ اور ہم کون

گذشتہ سے پیوستہ

تقدیر بحث

مولانا ابوالسلام محمد صدیق

حافظ عبد اللہ محدث و پری کاشی اور

مولانا عزیز زبیدی کا تعاقب

اور ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تکن بھم (مشکوٰۃ باب الاعتصام) اہل کتاب کوئی بات سنائیں تو ان کو سچا کہو اور نہ جھوٹا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو تھے ہم سے غائب ہے اس کا جوہر اور عدم اعتقاد کے لحاظ سے برابر ہے یعنی تحمل ہے ہو یا نہ ہو۔ جنب دونوں طرف برابر ہوئے تو بتلائیے۔ آپ نے آج تک کون سی دلیل پیش کی ہے۔ جہاں تک ہم نے آپ کے تعاقبات پر نظر کی ہے۔ صفر ہی پایا۔ آپ کوئی صریح حدیث پیش کریں یا کسی سلف کا قول پیش کریں۔ تو کچھ آپ کے تعاقب کی تدریجی ہو۔ ورنہ ویسے ورق سیاہ کرنے سے کیا فائدہ؟

کیا حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے محض خیال سے علامہ عینی وغیرہ چپ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ ہو سکتے ہیں۔ خاص کر جب علامہ عینی وغیرہ کے ہاتھ میں حدیث کا لفظ صریح تھا اور جس کا حقیقی معنی محسوس مبصر منکر ہے۔ تو ایسی صورت میں حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے قول کی کیا وقعت رہ جاتی ہے اور علامہ عینی وغیرہ پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ فرضی طور پر تسلیم کر لیا جائے کہ عدم اصل ہے تو بھی علامہ عینی کا پلڑا بھاری رہتا ہے کیونکہ ایسے بے دلیل اصل کو دلیل کے مقابل میں ترک کر دیا جاتا ہے اور یہاں ہذا کا لفظ دلیل موجود ہے ہاں اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ہذا کبھی غیر محسوس یا غیر حاضر میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر چونکہ یہ حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی ہے اور حقیقی معنی مجازی پر مقدم ہے اس لیے ترجیح مشکوف ہونے کو ہے۔

مولانا عبد الجلیل | انھوں نے جمع الجوامع سیرطی، مطول، رضی شرح کافیہ، قرطبی وغیرہ

کتب کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ ہذا اقرب اور بعید دونوں میں متعل ہے۔ علاوہ ازیں کشف بالافتاح مستحیل ہے مالم یصل الی الدلیل علیہ والاصل عدم الکشف نیز استعمال لفظ ہذا کا ایسے مواضع میں کا مشاہدہ کی بنا پر ہوتا ہے۔ مطول میں ہے اصل الاسماء الاشارة ان یشار بها الی شاهد محسوس غیر مشاہد او الی ما یتستحیل احاسہ مشاہدہ فمیسرہ کا مشاہد رضی شرح کا فیہ میں ہے الاصل ان لا یشار یا سماعاً لا اشارۃ الا الی مشاہد محسوس قریب او بعید فلان اشیاء بہا الی محسوس غیر مشاہد نحو تلك الجنة فمیسرہ کا مشاہد وکنہ لک ان اشیاء بہا الی ما یتستحیل احاسہ نحو ذلك الله۔ کشف کے ممکن اور ناممکن کو جانے دیجیے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ القبر میں تصریح کی ہے کہ میں قبر میں ہر مسئول کے سامنے مکشوف ہوں گا۔ اگر نہیں فرمایا تو پھر یہ خیال باطل۔ کیا محض توہم کی بنا پر یہ بھی نہیں کہ لفظ ہذا محسوس مبصر کے علاوہ مستعمل ہی نہ ہوتا ہے بلکہ اہل عرب محسوس غیر شاہد میں اسم اشارہ کو کا مشاہد قرار دے کر استعمال کرتے ہیں۔

مولانا عبد الجلیل صاحب کے تعاقب کا جواب دیتے ہوئے محدث روپڑی **محدث روپڑی** نے لکھا ہے یہ جتنی عبارتیں آپ نے ذکر کی ہیں۔ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ہذا البعید یا غیر محسوس یا غیر حاضر میں استعمال ہوتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ استعمال حقیقی ہے یا مجازی آپ کی اپنی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ یہ استعمال مجازی ہے اب مجاز کا حکم سنئے۔

مولانا اسماعیل شہید اصول فقہ میں لکھتے ہیں۔

واللفظ لا یحصل علی المعنی المجازی الا بقدرینۃ من

یعنی لفظ کا معنی مجازی بغیر دلیل کے نہیں لیا جاسکتا۔ بتلائیے آپ نے یہاں کوئی دلیل قائم کی ہے کہ یہاں ہذا غائب کے لیے ہے کیا بے دلیل ہی حافظ روپڑی کو مسلک محدثین سے الگ کر رہے ہیں۔ مولوی عبد الجلیل صاحب سے اس لیے ہم نے کہا تھا کہ ایک من علم کے لیے دس من غفل چاہیے۔ مگر آپ ایسے ہی اناپ ثنا پ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو سمجھ دے۔ آمین۔

مولوی عبد الجلیل بعض عبارتیں بے محل نقل کرتے جاتے ہیں بلکہ بجائے فائدہ کے **دلیل غلطی** ان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ مطول کی دوسری عبارت (قد یکون لاما العهد)

کہ یہاں کوئی تعلق نہیں بلکہ اس میں یہ بتایا ہے کہ کبھی لام بھی حاضر کے لیے آتا ہے جس سے ایک فعل اس کا اسم اشارہ ہوا ہے مگر مولوی عبد الجلیل نے سوچے سمجھے اناب شناسی کہتے چلے جاتے ہیں جس سے ناماقول کو معلوم ہو کہ دلائل کی بھرمار ہو رہی ہے لیکن حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ تفسیر اوقات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اس عبارت میں مولوی عبد الجلیل نے لکھا ہے کہ کشف بالاتفاق مستحیل ہے یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ جب آخرت کے معاملہ میں بین ان یکون و بین ان لایکون ہے یعنی محتمل ہے کہ ہو یا نہ ہو چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے تو پھر بالاتفاق مستحیل کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔ بلکہ ممکن ہوگا اور اگر بالفرض مستحیل ہو تو اس کی وجہ یہی ہوگی کہ وہ خرق عادت ہے۔ سو یہ دنیا کے لحاظ سے ہو سکتا ہے۔ نہ آخرت کے لحاظ سے کیونکہ عادت وہ طریقہ جاریہ ہے جو خدا نے کسی سلسلہ نظام کے قیام کے لیے ٹکونی طور پر مقرر کر دیا ہے اور چونکہ دنیا کے خرق عادات آخرت میں عموماً طریقہ جاریہ ہیں۔ اس لیے آخرت کے معاملہ کو دنیا پر قیاس کر کے مستحیل کہنا ڈبل غلطی ہے۔ مثلاً مردہ میں روح ڈالے جانا۔ اس کا بیٹھ جانا۔ فکر نیکر کا اس سے سوال و جواب کرنا۔ قبر کا تنگ ہو جانا یا صاحب قبر کا میت گتیاں کرنا۔ جنت اور دوزخ کی طرف سے کھر کی کا کھلنا یا سانپ بچھو کا اس پر سلاخ ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام سلسلہ دنیا کے لحاظ سے خرق عادت ہے، مگر آخرت میں طریقہ جاریہ ہے اس لیے یہ موافق عادات ہے پس کشف کو آخرت کے لحاظ سے مستحیل کہنا سخت غلطی ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو بات ہم سے غائب ہو۔ اگر اس پر دلیل نہ ہو تو وہ بین ان یکون و بین ان لایکون ہے جیسا کہ مولانا اسماعیل شہید نے اس کی تصریح کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں۔ اور کشف چونکہ اخروی معاملہ ہے اس لیے اس کو تعمیل نہیں کہہ سکتے بلکہ ممکنات سے کہیں گے۔

خلفاء کے اقوال | اب ہم خلفاء کے اقوال سے اور احادیث سے اس کا ممکنات سے ہونا ثابت کرتے ہیں۔ مگر پہلے مولوی عبد الجلیل کی پیش کردہ احادیث اور علماء کے اقوال بیان کیے جاتے ہیں۔

مولوی عبد الجلیل صاحب نے لکھا ہے:

ملاوہ ازیں اگر حدیث کے الفاظ کی طرف بھی نظر غائر تو جہ کی جائے تو بھی اس امر کی مزید تفسیر ہو سکتی ہے۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ ابن حبان۔

حاکم - بیہقی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں،

ما تقول في هذا الرجل الذي كان فيكم

ابن مردويه کے لفظ حضرت انسؓ سے یہ ہیں۔

فقال كيف تقول في هذا الرجل الذي كان بين اظهركم الذي يقال له محمد -

مسند احمد و بیہقی میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فيقال ما هذا الرجل الذي كان فيكم -

بیہقی کتاب الاعتقاد مصنف ابن ابی شیبہ جز رابع کے الفاظ ابوہریرہؓ سے یہ مروی ہیں۔

فيقال له ارايتك هذا الرجل الذي كان فيكم اي رجل هو وما ذا

قول فيه وماذا تشهد به عليه فيقول اي رجل فيقال الذي كان فيكم

فلا يهتدي لاسمه حتى يقال له محمد -

ابن ابی شیبہ جز رابع ابن جریر - ابن حبان میں حضرت ابوہریرہؓ کے یہ الفاظ ہیں۔

فيقول عم تسئلوني فيقولون ارايت هذا الرجل الذي كان فيكم ما تقول

به ما تشهد به عليه قال فيقول محمد فيقال له نعم -

مسند احمد ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ کے لفظ براہین عازب سے یہ الفاظ

مروی ہیں۔

فيقولان له ما هذا الرجل الذي بعث فيكم -

کتاب الروح ابن قیمؒ میں براہین کے لفظ

ما هذا النبی الذي بعث فيكم -

ابن جریر، ابن ابی حاتم بیہقی میں ابن عباسؓ کے لفظ

واذا قيل له من الرجل الذي بعث اليكم ولعمري جع اليهم شيئا

فلذلك قوله ويضل الله انظار العين -

میرے معزز دینی برادر آپ نے الفاظ کو تو ملاحظہ فرمایا جو صاف اور صریح روز روشن

کی طرح چمک رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مشکوٰۃ نہیں ہوا کرتا۔ حاضر محسوس مبصر کے

حق میں یہ الفاظ ہرگز مخدوٰں نہیں۔ اس قسم کے الفاظ غیر حاضر ہی کے لیے موزوں ہیں بشرطیکہ

ایمان داری سے کام لیا جائے۔ اہل حدیث ۲۳ جولائی ۱۹۲۷ء

محدث روپری

ان احادیث کا جواب ۵/ جون ۱۹۳۶ء کے تنظیم میں مفصل دے چکے ہیں۔ ہمارا جواب نقل نہیں کیا یہ احادیث ہمارے موافق ہیں کیونکہ ان میں وہی ہذا کا لفظ ہے۔ جوشے کے سامنے کو چاہتا ہے تحقیق معنی اس کا یہی ہے۔ غیر حاضر میں اس کا استعمال مجازی ہے اور مجازی معنی تحقیق کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔

پھر ہم پوچھتے ہیں۔ ان احادیث میں کون سا لفظ ہے جو غیر حاضر ہونے پر دلالت کرتا ہے اللہ کا لفظ ہے یا ضمیر غائب ہے یا کوئی اور لفظ ہے۔ اگر کوئی اور لفظ ہے تو بتلاؤ۔ ورنہ اللہ ہی جو ضمیر غائب تو غیر حاضر ہونے پر دلالت نہیں کرتے قرآن مجید میں ہے۔

وَإِذَا دَاوُدَ الَّذِي كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذَ ذَلِكَ الْأَهْوَاءَ الَّتِي يَذْكُرُ الْهَتَكَ۔

اے محمد! کفار جب تمہیں دیکھتے ہیں۔ تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارا معبودوں کو برائی سے یاد کرتا ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے۔ وَإِذَا دَاوُدَ أَنْ يَتَّخِذَ ذَلِكَ الْأَهْوَاءَ الَّتِي يَذْكُرُ الْهَتَكَ۔

جب کفار تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جس کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

ان آیتوں میں باوجود حاضر ہونے کے الٰہی بھی ہے اور یہ کہ میں ضمیر غائب بھی ہے اس طرح عربیت کے لحاظ سے انا الٰہی یقال لی ذیہ جس میں ضمیر غائب ہے زیادہ فصیح ہے حالانکہ سلمے ہوتا ہے۔ ناظرین کرام خیال فرمائیں کہ ہم عربیت کے محاورات پیش کر رہے ہیں اور مولوی عبد الجلیل ویسے ہی کہہ رہے ہیں کہ یہ الفاظ روز روشن کی طرح چمک رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مشکف نہیں ہوتا۔

مولوی عبد الجلیل مسئول یعنی شہدیت کے جوابات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”فیقول اشہد انہ رسول اللہ وانہ جاءنا بالبینات من عند اللہ فصدقنا بہ بتقوی میں ابوہریرہؓ کے لفظ فیقول ہو رسول اللہ عبد بن حمید کے لفظ انسؓ سے فیقول انہ رسول اللہ وعبدہ ترمذی کے لفظ ابوہریرہؓ سے فیقول ما کان یقول ہو عبد اللہ ورسولہ ابن جریر ابن حبان کے لفظ فیقول انہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ اسماؤ سے قال اشہد انہ رسول اللہ قال وما یدریک ادککۃ قال اشہد انہ رسول اللہ وعلیہ بخاری کے لفظ اسماؤ سے فاما المؤمن والمؤمنۃ فیقول محمد رسول اللہ جاءنا بالبینات والہدی۔ احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی مصححین کے لفظ حضرت انس سے فاما المؤمن فیقول عبد اللہ ورسولہ تعجب ہے کہ جب مکشوف ہو کر سامنے ہی ہوتے ہیں تو پھر انہ رسول اللہ اشہد انہ عبد اللہ ورسولہ ہر محمد رسول اللہ اشہد انہ رسول اللہ کہنے کی کیا ضرورت تھی وہی ہذا سے جواب دے دیتے۔ حالانکہ یہاں غائب سے جواب دیا ہر ہے کہ یہاں کوئی شے مکشوف نہیں کہ جسے ہذا وغیرہ سے جواب کی ضرورت واقع ہوتی۔ یہ الفاظ مکشوفیت کے ابطال پر بہت بڑی دلیل ہیں۔

حدیث زہریؒ۔ مولوی عبد الجلیل ضمیمہ غائب کو مکشوفیت کے ابطال پر اول نمبر کی دلیل بتاتے ہیں مگر ان بیچاروں کو معلوم نہیں کہ ضمیمہ غائب حضور کے منافی نہیں چنانچہ اوپر عربی کی اشک گزر چکی ہیں زیادہ اطمینان کے لیے ہم وضاحت کیے دیتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے قال بل فعلہ کبیرہم ہذا فسلوہم ان كانوا ینتظون فارجعوا الی انفسہم فقالوا انکم انتم الظالمون ثم نکسوا علی رؤسہم لقد علمت ما هؤلاء ینتظون (پاکہ ابراہیم نے کہا یہ فعل ان بتوں کے بڑے نے کیا ہے جو یہ ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان سے دریافت کر لو۔ کفار نے اپنے اندر سوچ کر آپس میں کہا کہ تم ہی ظالم ہو۔ پھر سرور پرانہ سے ہو گئے کہنے لگے تجھے معلوم ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔ یہ سارا بت خانے کا واقعہ ہے۔ کفار نے جب بت ٹکڑے ٹکڑے دیکھے تو ابراہیم علیہ السلام کو اس مجمع میں بلا کر پوچھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس کا فعل ہے۔ ان بتوں سے پوچھو یہ خود ہی بتا دیں گے کہ ان کو کس نے توڑا ہے تو کفار نادم ہوئے پھر ضد میں آکر بتوں کی املا دپر تل گئے اور کہنے لگے ہم ان سے کیا پوچھیں یہ کوئی بولتے ہیں۔

اس واقعہ میں بتوں کے حق میں پہلے ضمیمہ غائب کا استعمال ہے پھر اسم اشارہ کا اس سے معلوم ہوا کہ حاضر میں اسم اشارہ کا استعمال ضروری نہیں

مولوی عبد الجلیل لکھتے ہیں :-

حضرات! مثنیٰ حدیث و محدثین کرام فرماتے ہیں۔

عون المعبود جلد ۳ ص ۳۱۶ میں ہے۔

ما كنت تقول في هذا الرجل محمداً ولم يقلوا ما تقول في هذا النبي وغيره
من الفاظ التعظيم قصد الامتحان للمستول اذ ربما تلقن تعظيمه من ذلك ولكن
يثبت الله الدين امنوا بالقول الثابت

علامہ شامی تفسیر ص ۲۹۲ میں فرماتے ہیں۔

قوله ما كنت في حياتك (تقول في هذا الرجل) عبدي لا ينحو هذا النبي امتحاناً
للمستول لثلاث تليق منه -

۱۔ ام نروى شرح مسلم ص ۳۸۶ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔

(ما تقول في هذا الرجل) یعنی الرجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ليقوله بهذا العبارة
التي ليس فيها تعظيم امتحاناً للمستول لثلاث تليق تعظيمه من عبارة السائل ثم ثبت
الله الذين امنوا -

نیز ص ۲۹۵ ج ۱ کوف میں فرماتے ہیں۔

(ما علمك بهذا الرجل) انما تقول له الملكان السائلان ما علمك بهذا الرجل
ولا يقولان رسول امتحاناً واعترا با عليه لثلاث تليق منها اكراما للنبي صلي الله
عليه وسلم ورفع مرتبة فيعظمه تقليد الهما لا اعتقاداً ولهذا يقول المؤمن
هو رسول الله -

محدث روپڑی

مولوی عبد الجلیل کو اتنی بھی خبر نہیں۔ ان سب عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ
منکر نکیر هذا الرجل کہہ کر سوال کیوں کرتے ہیں۔ هذا النبي وغيره کیوں نہیں
کہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں سوال سے میت جواب نہ سمجھ جائے۔ کیونکہ جب سوال نبی یا رسول
کا لفظ ہوگا تو میت سمجھ لے گی۔ کہ یہ خدا کا رسول ہے تو سوال کا کیا فائدہ؟ پس یہ ان عبارات
کا خلاصہ ہے۔ ان میں متن از عرفیہ مشدہ کا نام و نشان نہیں۔ بلکہ اور نیسے مولوی عبد الجلیل کے
مضمون میں منکر نکیر کے سوالات کی روایتیں گزر چکی ہیں۔ ان میں هذا النبي۔ من الرسول
موجود ہے اب مولوی عبد الجلیل یا تو ان علماء کی تردید کریں یا ان روایتوں کی تردید کریں۔ دوسری
صورت میں ہم پوچھیں گے ہمارے سامنے (روایات مردودہ کیوں پیش کیں) اگر ان علماء کی تردید
کریں گے تو ہم سوال کریں گے۔ کہ جب آپ خود علماء کی مخالفت کرتے ہیں تو ہم پر ان کی مخالفت

کا کیوں الزام لگاتے ہیں۔ اگر سوالات کی مختلف صورتیں قرار دی جائیں تو ہمارا بھی حق ہوگا مختلف قرار دیں مثلاً کہیں کہ جن میں ہذا ہے ان میں کشف ہے جن میں ہذا نہیں ہے ان میں کشف نہیں ہے۔

بمطلق آدمی بہتر است از دو اب

دو اب از تو بہ گرنہ گوئی ثواب

مہ نے ابتدا میں وضاحت کر دی ہے کہ اس مسئلہ میں دوا احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا تذکرہ کر کے میت سے سوال کیا جاتا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ درمیان سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک میت کو قریب نظر آنے لگتا ہے۔ اور منکر نکیر ما نقول فی هذا الرجل وغیرہ الفاظ کہہ کر میت سے سوال کرتے ہیں۔ حضرت محدث روپڑی نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے۔ اس کی جو انھوں نے وجوہات بیان کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

- (۱) منکر نکیر کے سوال میں لفظ ہذا ہے جس کا استعمال مبصر قریب کے لیے ہوتا ہے۔
- ہذا کا یہ حقیقی معنی ہے۔ جب حقیقی معنی جن سکتا ہو تو مجازی معنی نہیں لینا چاہیے۔
- (۲) کوئی نص صریح نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا تذکرہ کر کے میت سے سوال ہوتا ہے۔ اس کے برعکس حدیث میں اسم اشارہ ہذا کے لفظ سے یہ معنی راجح معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود یا جو دار میت کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے اور آپ کا وجود مبارک میت کو قریب نظر آنے لگتا ہے۔ ہذا کے حقیقی معنی کا یہ تقاضا ہے۔

(۳) کشف حجاب کا اس مسئلہ کا تعلق عالم برزخ سے ہے۔ وہاں کا کوئی معاملہ نہ خرق عادت ہے اور نہ تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف کہہ کر اس کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ دنیا میں جو امر خرق عادت ہے عالم برزخ میں وہ عادت کے مطابق ہے۔ جیسے قبر کا فراخ اور تنگ ہونا۔ قبر کا میت سے باتیں کرنا۔ جنت اور دوزخ کی طرف کھڑکی کا کھلنا۔ علامہ سلطان نے بھی کشف کی ضرورت کی ترجیح کا اس لیے انکار نہیں کیا کہ وہ خرق عادت ہے بلکہ یہ کہا ہے نبیل یکشف للمیت حتی یرى النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی بشری عظیمۃ للمؤمنین ان سمع یعنی مومن کے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میت کے درمیان سے

مجاہد و مجتہد ہے اور مومن کو آپ کا وجود قریب دکھائی دینے لگتا ہے۔ اگر صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہو جائے جتنا تک ہمارا علم کام کرتا ہے اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔ تاہم اس کے پاس ہذا اسم اشارہ دلیل ہے جس کا اطلاق تحقیقاً مشائرا لہیہ مبصر حاضر پر ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ہذا کا مشائرا لہیہ وہ ہو جو ذہن میں ہے۔ مگر یہ معنی مجازی ہے۔ مجازی کہہ کر دوسرے مسلک کی کمزوری بیان کی ہے۔

(۴) کشف اور عدم کشف کے بارہ میں نہ کوئی نص ہے اور نہ اس حدیث کی تشریح میں سلف کا کوئی قول ہے تو اس صورت میں مرفوع حدیث کے لفظ ہذا کے حقیقی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کشف کے مسئلہ کو ترجیح دے تو اس کا مسلک اس سے زیادہ مضبوط ہے جس کے پاس ہذا کی تشریح میں نہ حدیث ہے اور نہ سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ ہذا مشائرا لہیہ ذات نہیں بلکہ صفات ہیں۔ آخر میں محدث روپرمی فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ کشف ہوتا ہے دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالی پیش ہوتی ہے۔ تیسرا یہ کہ صرف اوصاف پر کفایت ہوتی ہے۔ صورت مثالی کی وجہ یہ ہے کہ ہذا اسم اشارہ قریب کے لیے ہے اور ایک وقت میں ہزار ہا میتوں سے سوال ہوتا ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بیک وقت آپ سب جگہ حاضر ہوں اس لیے صورت مثالی مراد ہے۔ مگر اس پر شبہ ہوتا ہے کہ اگر سب میتوں سے ہذا کے ساتھ سوال ہو تو یہ اعتراض پڑتا ہے۔ اگر بعض سے ہو جس کی صورت یہ ہو کہ جب ایک سے سوال ہو تو اس وقت دوسری جگہ کسی اور سے نہ ہو تو پھر کوئی اعتراض نہیں اور احادیث میں سب سے ایک طرح سے سوال پڑتا نہیں ہوتا بلکہ کئی طرح سے ثابت ہوتا ہے پس یہاں یہ اعتراض درست نہیں۔

کشف

کشف کی وجہ یہ ہے کہ ہذا میں مخاطب کی نظر میں قریب شرط ہے سو کشف ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت کے قریب معلوم ہوتے ہیں جیسے آنتاب کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ میت کو عصر کے وقت پر معلوم ہوتا ہے۔

جو علماء صرف اوصاف کے تامل ہیں وہ کہتے ہیں عدم کشف اور عدم شال اصل ہے اور ہذا کبھی حاضر فی المذہن کے لیے بھی آتا ہے۔ اس لیے صرف اوصاف کا قول ٹھیک ہے۔ مگر اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ اول تو اس محل میں عدم کو اصل کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ آخرت کا معاملہ

ہماری آنکھوں سے غائب ہے۔ اس لیے اپنے خیال سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صورت مثالی یا کشف نہیں ہوتا۔ بالفرض اس محل میں عدم کو اصل مان لیں۔ تو پھر دلیل سے ایسے بے دلیل اصل کو چھوڑا جاتا ہے اور دلیل یہاں ہذا کا لفظ ہے اور یہ کہنا کہ کبھی ہذا حاضر فی الذہن کے لیے بھی آتا ہے تو یہ مجازی معنی ہے اور حقیقی معنی پر مقدم ہوتا ہے جب تک کوئی دلیل نہ ہو مجازی معنی پر لفظ کو حمل کرنا جائز نہیں۔

کشف مستحیل نہیں ہے

یہ کہنا بھی درست نہیں کہ کشف مستحیل ہے۔ حافظ ابن حجر قاضی عیاض وغیرہم کے اقوال کو دیکھا جائے تو وہ صرف انکاری اور تردیدی اقوال ہیں۔ ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کا اعتقاد عدم کشف ہے یا عدم صورت مثالی ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کا اعتقاد نہ کشف ہو اور نہ عدم ہو۔ کیونکہ ان کے خیال میں کسی طرف دلیل نہیں اور کسی علم نے یہ نہیں کہا کہ کشف بالاتفاق مستحیل ہے۔ شیخ الاسلام پارہ پنجم متعلق تیسیر الباری شرح بخاری جلد دوم میں لکھتے ہیں۔

ظاہر آنست کہ القارمے کنند در دل اشاریہ را کہ درمے یابد مخاطب بآن اشارت یعنی ظاہر یہ ہے کہ جب اشارہ کے ساتھ سوال کرتے ہیں تو خدا کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل میں القاء ہو جاتا ہے یا بر بنائے شہرت حاضر فی الذہن کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ دونوں صورتیں منافق اور کافر میں بھی پائی جاتی ہیں اور احتمال ہے مومن پر صورت مثالی ہمیش ہوتی ہو یا کشف ہوتا ہو۔ مگر اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر ایسا ہو تو موت بہت مبارک ہے جو حیات پر ترجیح رکھتی ہے۔ شیخ اصل ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے لیے بڑی بشارت ہے مگر وہ اس خوشی میں جان دے دیں یا زندگی کے قبر میں چلے جائیں تو لائق ہے۔

اس عبارت میں شیخ اجل کا تو مذہب ہی کشف یا صورت مثالی بتایا ہے اور خود شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں کا احتمال ہے مگر ان کے خیال میں اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر دلیل مل جاتی تو ان کے نزدیک یہ بات پختہ ہو جاتی اب صرف احتمال ہے محبت نہیں۔

نظاہر حق جلد اول ص ۶۲ میں ہے۔

اشارہ بہ سبب شہرت حضرت کے ہے یا حضرت کے روبرو لانے ہوں ساتھ صورت مثالی کے۔ پس اس صورت میں آرزو موت کی کرنی واسطے حاصل ہونے اس نعمت عظمیٰ کے خوب ہے

اور اس میں بشارت ہے مشاقوں کے لیے

شب عاشقان بیدل چہ قدر دراز باشد
تو بیا کہ اول شب در صبح باز باشد
مشکوٰۃ غزنویہ کے حاشیہ میں ہے۔

یہ اشارہ یا سبب شہرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے یا حضرت کو رو بردلاتے ہیں۔
ساتھ صورت ثمالی کے کہا قطلانی نے۔ بعض نے کہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن کے
درمیان کے پردہ اٹھایا جاتا ہے یہاں تک کہ مومن حضرت کو دیکھ لیتا ہے۔ اس صورت میں
یہ نعمت عظمیٰ ہے اور بشارت مومن کے لیے اگر یہ قول ثابت ہو اور ہم کو کوئی حدیث صحیح اس
بارہ میں معلوم نہیں ہے اور اس کے قائل نے صرف یہی حدیث بیان کی ہے کہ اشارہ نہیں ہوتا
مگر حاضر کے لیے لیکن احتمال ہے کہ اشارہ اس چیز کے لیے ہو جو ذہن میں ہے پھر مجاہد ہوگا۔
غزنویوں نے شہرت کی بنا پر اشارہ کو اور صورت ثمالی کو برا بر بتلایا ہے اور قطلانی
نے کشف کی صورت کو بعض کا مذہب بتا کر کہا ہے کہ اشارہ میں حاضر فی المذہن کا بھی
احتمال ہے۔ پھر اس کو مجاہز کہہ کر ذکر کر دیا گیا ہے۔ گویا کشف کی جانب قوی رہی۔ اب
غور کیجیے کہ کشف کو بالاتفاق تمحیل کہنا سچ ہے یا جھوٹ ہے
میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرورد منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

شرح الصدور فی شرح احوال الموتی والقبور مصنف
احادیث کا فیصلہ امام سیوطی اور تذکرۃ الموتی والقبور۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔
قضیۃ المقدور علی فقہ القبور نواب صدیق حسن خاں مکرورہ بالا تینوں کتابوں میں
بحوالہ ابن ابی الدنیا اور ابن ابی شیبہ لکھا ہے۔

یزید بن سنجہ کہتے ہیں۔ نہیں مرقا کوئی شخص مگر دکھائی جاتی ہے اس کو صورت ثمالی اس
کے ہم نشینوں کو اگر اہل لہو سے ہے تو اہل لہو کی اور اگر اہل فکر سے ہے تو اہل فکر کی۔ حقیقۃ
المقدور علی مختلفۃ القبور ص ۳
دوسری جگہ لکھا ہے۔

ابن سیرین اس بات کو دوست رکھتے تھے کہ مردے کو اچھا کفن پہنا یا جائے اور کہتے

تھے کہ مردے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔
 پہلی حدیث میں ہم نشینوں کی صورت مثالی پیش ہونے کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ہم نشین تھے تو ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صودت ضرور پیش ہوتی ہوگی۔

دوسری حدیث میں عام وفات یافتگان کی ملاقات کا ذکر ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ غور کیجیے اب بھی کشف یا صورت مثالی بالاتفاق مستحیل ہے؛ ملاقات کی نسبت کشف تو بالکل معمولی بات ہے۔

ما بلبلیم نالای گلزارِ ما محمدؐ
 ما نرگسیم حیران دیدارِ ما محمدؐ
 قمری بہ سرو نازِ دلیلِ بگلِ فرید
 ما عاشقیم از میاں دلدارِ ما محمدؐ

(عبد اللہ امرتسری)

غزلے

بکھری ہوئی ہیں ان کی ادا میں کہاں کہاں
 جلوے قدم قدم ہیں تھارے بہ ہر نگاہ
 ہیں امتحان میں اپنی دفا داریاں ہنوز
 نقشے ہیں حسن کے کہیں حسن نگاہ کے
 غم خواہ کوئی ہو تو بیاں غم کریں کہیں
 لاناو نیاز اب تو نہیں درمیاں مگر
 دیر و حرم کی قید گوارا نہ تھی ہمیں
 ہر ذرہ زمیں ہے میں محسن ذات کا
 دامن کو دل کے ان سے بچائیں کہاں کہاں
 آنکھوں کو فرش راہ بنائیں کہاں کہاں
 داغوں سے اپنے دل کو بچائیں کہاں کہاں
 آن آفتوں سے دل کو بچائیں کہاں کہاں
 غیروں کو داستان چسٹنائیں کہاں کہاں
 دیتے رہے ہیں ان کو دعائیں کہاں کہاں
 اس دل نے دی ہیں ان کو صدائیں کہاں کہاں
 یادوں کے اس کی نقش مٹائیں کہاں کہاں

اسرارِ دل کا رازِ بیاں کس طرح کہیں

داغِ غم نہاں کو دکھائیں کہاں کہاں

اسرار احمد سہاوی

کیا مسلمان اور ذمی کی نیت یکساں ہے؟

کیا حدود محض زواجر ہیں؟ | موصوف قاضی صاحب فرماتے ہیں: ”اور دنیاوی سزا کا ذکر ہے آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہوگی؟“ (ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۶۹ء)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے قتل کے جرم میں قصاص لیا جائے یا سرقہ کے ضمن میں قطع ید ہو یا زنا کے سلسلہ میں رجم کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ تو یہ سزا صرف دنیاوی سطح تک مستحب ہوگی۔ عند اللہ ان کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ ان مجرموں کو مزید سزا دی جائے گی۔

حدود کے ضمن میں دی جانے والی سزا کیا آخرت میں بھی کافی ہے یا نہیں؟ یہ اصولی بحث تو ہم کسی اور جگہ کریں گے تاہم مسئلے کی وضاحت کے لیے تو حدیث ہی کافی ہے جو خود قاضی صاحب نے بھی اپنے مضمون میں نقل کی ہے اور وہ یہ کہ عوام کو محفوظ رکھنے کی غرض سے مسئلہ سمجھا دیا جائے۔ مسئلہ کی وضاحت کے لیے اولاً جو درمیان مضمون آپ نے جو حدیث درج کی ہے اس کی طرف سے بردہ اندا کر دے۔ بردہ کے ہر عضو کی آزادی کی وجہ سے اس کا ہر عضو دوزخ سے آزاد ہو جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ جہنم سے آزاد ہو گیا تو اور سزا کیا ہوگی؟ کیا اسے بطور سزا جنت میں بھیج دیا جائے گا؟

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے متعلق فرمایا ہے جسے رجم کی سزا دی جا رہی تھی کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر منافقین مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو انھیں کافی ہو سکے تو کیا ایسی توبہ کے بعد بھی اسے اور سزا کا منتظر رہنا چاہیے۔

موصوف مذکورۃ الصدر حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”انصار کے موصوف کی دسترس | نزدیک یہ حدیث اس وجہ سے قابل استدلال نہیں کہ اس میں دوزخ

کا لفظ نہیں لہذا شبہ ہے کہ یہاں مستحق قصاص و دیتہ مراد ہے یا دوزخ۔“ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر موصوف کو لفظ دوزخ مطلوب ہے تو واقعی حدیث میں یہ لفظ نہیں۔ ورنہ انصار کی

وضاحت تو موجود ہے۔

حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قال اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صاحب لنا اوجب لہما یعنی النار بالقتل فقال اعتقوا عنہ یعتق اللہ بكل عضو منہ عضوا من النار (البدائع مع العون ص ۵۲)

”یعنی ہم اپنے ایک ایسے ساتھی کو نبی عبد اللہ اسلام کے پاس لائے جس پر قتل کی وجہ سے دوزخ واجب ہو چکی تھی تو آپ نے فرمایا اس کے بدلے (غلام) آزاد کر دو۔ اللہ ہر عضو کے بدلے اس کا عضو جہنم سے آزاد کر دے گا۔“

عام فقہی کتب میں چونکہ قتل کی اقسام خمس کے تحت قتل قائم مقام خطا کو بھی ذکر کیا جاتا ہے تو مصنف نے بھی اسے ذکر کیا ہے لیکن ہم یہاں پہلے قتل شبہ عمد کے ضمن میں امام مالکؒ کے موقف کی طرف توجہ دلا چکے ہیں اسی طرح اس موقع پر بھی مسئلہ کا یہ پہلو محتاج توجہ ہے کہ آیا قتل خطا یا قائم مقام خطا کا فرق فی الحقیقت کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر جرم کی نوعیت اور سزا کے اعتبار سے کوئی فرق ہے اور اس کی بنیاد کسی شرعی

ہدایت پر ہے تو فہما و نعمت۔ ورنہ محض لفظی فرق کے تحت ادراک کی سپاہی کا کیا مطلب اور
عوام کو ایک سیدھے سادھے قانون تعزیرات میں تشکیک کا موقع فراہم کرنا چہ معنی دارد؟
لہذا علما کرام کو اس فقہی تقسیم پر اجتماعی طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں نظر ثانی کرنا چاہیے کہ
کیا واقعی یہ تفریق قرین شریعت ہے یا نہیں؟

انہ کرام کا اختلاف ہے کہ اونٹ کی صورت میں دیت ادا
کرتے وقت وہ تین حصوں پر مشتمل ہوں یا چار حصوں پر؟ امام

اونٹ کی جنس سے دیت

ابو حنیفہؒ و قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک چار حصوں میں ہوں یعنی ۲۵ بنت مخض، ۲۵ بنت
لبون، ۲۵ حقد اور ۲۵ جذع۔ امام محمد اور امام شافعیؒ کے نزدیک اثلاًتا ہوگی یعنی ۳۰ حقد،
۳۰ جذع اور ۳۰ ثنیہ۔ دوسرے فریق کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عمر بن شعیبؓ کی مرفوع
احادیث ہیں جن میں ایسی بھی تقسیم کی وضاحت ہے جب کہ فریق اول کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع
روایت ہے جس کی تائید سائرین بن یزید کی روایت سے ہوتی ہے۔

قاضی صاحب نے ابن مسعودؓ کی روایت کو مرفوع بنانے کی کوشش کی ہے جو کہ درست
نہیں کیونکہ وہ تقریباً صحیح طرق کی تتبع کے بعد کسی صحیح طریق سے مرفوع معلوم نہیں ہوتی۔ امام ترمذی
نے اسے مرفوع بیان کر کیا ہے لیکن ضعیف سند کے ساتھ۔ یعنی اس میں ایک تزیید بن جبیر
راوی ہے جس کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں: "متروک وقال ابو حاتم لا یکتب حدیثہ"
وقال ابن عدی عامۃ ما یرویہ لا ینتالغ علیہ۔ (میزان) اسی طرح خشف بن ناکل
مشکم فیہ ہے امام بیہقی نے اسے مجہول کہا ہے۔ علاوہ ازیں حجاج بھی مشکلم فیہ راوی ہے۔ غرضیکہ
یہ روایت صحیح سند سے مرفوع مروی نہیں جس پر امام دارقطنی نے بالتفصیل بحث کی ہے امام
شوکانی فرماتے ہیں۔

والصحيح انه موقوف على عبد الله كما سلف (نیل الاوطار ص ۶۶)

اور جہاں تک یزید بن سائب کی روایت کا تعلق ہے تو ہمیں افسوس ہے کہ موصوف نے اس کا
حوالہ نہیں دیا کہ ہم دیکھ سکتے اس کی اسنادی حقیقت کافی ہے تاہم علامہ شوکانی نے نیل الاوطار
میں اسے بحوالہ الشفا للامیر الحسین ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ لکھا ہے۔

ولما جحد هذا مرفوعاً الى النسي صلى الله عليه وسلم في كتاب حديثه فينظر

فيها ذكره صاحب الشفا (نیل میہ)

علامہ ازہر اسے ابو داؤد نے بھی حضرت علیؓ سے موقوفاً ذکر کیا ہے اور سند ابھی کمزور ہے کیوں کہ اس میں عام بن حمزہ راوی ہے جن پر متعدد علما نے فن نے جرح کی ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور سائب بن یزید کی روایات اول تو موقوف ہیں ثانیاً مرفوع اور موقوف دونوں حیثیتوں میں وہ ضعیف ہیں۔ دوسری طرف مرفوع صحیح احادیث ہیں۔ لیکن قاضی صاحب موقوف اور ضعیف روایت کی حمایت میں اس طرح استدلال کرتے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت کو موقوف ہونے کا نقص نکال کر مرفوع قرار نہیں دیا جاسکتا لہذا امام ابو حنیفہ نے ابن مسعود کے افقہ ہونے کی وجہ سے ان کی روایت کو ترجیح دے دی۔ (ملخصاً)

حضرت ابن مسعود کی قضاہت سرانگھوں پر لیکن ان سے روایت سنداً صحیح بھی تو ہو؟ محض سینہ زوری تو کوئی وجہ ترجیح نہیں؛ اور پھر دونوں احادیث کو برابر قرار دینا اپنی جگہ پر از خود ظلم غلیم ہے۔ یہی نہیں بلکہ غیر شعوری طور پر امام ابو حنیفہ کی بھی تو یہی ہے کہ وہ ان دونوں کو برابر خیال کرتے ہیں خواہ ان کے سامنے دونوں احادیث ہی نہ ہوں۔ فی الجبہ! دراصل معلوم یوں ہوتا ہے کہ موصوف کو حقیقتاً قطع کا موقعہ ہی نہیں ملا ورنہ وہ اس تفصیل جیسے پرفریب الفاظ کی زد میں بہہ کر یہ نہ فرماتے کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت اگرچہ مرفوعہ موقوف ہے مگر حقیقتہً یہی مرفوع کے حکم میں ہے۔ بہر حال ہم اس خود ساختہ حقیقت کی تفصیل کے منتظر ہیں! لعل اللہ بحدث بعد ذلک امراً۔

ذمی کی دیت کے متعلق احناف کا موقف ہے کہ مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی۔ **دیت ذمی** جب کہ خیالہ کے نزدیک نصف دیت بصورت خطا اور سادی بصورت عمد اور ثوانہ کے نزدیک ثلث دیت ہوگی جب کہ امام مالک کے نزدیک نصف دیت — ان مذاہب کی تفصیل و تائید سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ احناف کے نزدیک چونکہ النفس بالنفس کے تحت مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کیا جانا ہے تو ضروری ہے کہ وہ دیت میں بھی سادی ہوگا جب کہ ہم پہلے صفحات میں یہ بات باللائق ثابت کر چکے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کرنا درست نہیں بلکہ ان میں فرق ہے اور اسی اعتبار سے حدیث میں بھی فرق ہے۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ دیتۃ المعاهد نصف دیتۃ الحرۃ (ابوداؤد ۲۱۹) یعنی معاہدہ (ذمی) کی دیت آزاد (مسلمان) کی دیت کا نصف ہے۔ ایک دوسری

روایت میں ہے۔

جعل عقل اهل الكتاب من اليهود والنصارى نصف عقل المسلم

(بیہقی، مصنف عبد الوزاق میثقی)

یعنی اہل کتاب کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں۔

”لین فی دیتہ اهل الكتاب شیءا بین من هذا والیہ ذہب عمر بن

عبد العزیز وعمروۃ ابن الزبیر وہو قول مالک بن انس وابن مشیرۃ

واحمد..... وقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی ولا

یاس یا سنادا“ (عون المعبود ج ۲)

یعنی ”ذمی کی دیت میں اس حدیث (مذکور) سے زیادہ واضح اور کوئی دلیل نہیں (یعنی ذمی

کی نصف دیت والی روایت دلائل کی رو سے بالکل واضح ہے) عمر بن عبد العزیز، عمروہ

بن زبیر، مالک بن انس، ابن شہر مہ اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا فرمان ہی سب سے زیادہ اولیٰ ہے اور سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت

صحیح ہے۔“

علامہ ازہر بن سعید بن المسیب نے حضرت عمرؓ سے ذمی کی دیت چار ہزار درہم نقل کی ہے

جس کی تائید ابوریثی اشعرنی کے خط بنام حضرت عمرؓ سے بھی ہوتی ہے۔ (مصنف عبد الوزاق میثقی)

حضرت حن بصری کا بھی یہی خیال تھا اور مجوس کے متعلق متعدد صحابہ و تابعین سے مروی ہے

کہ ان کی دیت آٹھ ہزار درہم ہے بلکہ لکھوں نے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب

کیا ہے۔ (ایضاً میثقی)

مذکورہ اختلاف مذاہب کے نقل کرنے کے بعد اب ذرا ان دلائل کا بھی تجزیہ پیش کیا

جاتا ہے جو ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اخاف نے اپنے مدعا کی تائید میں سورہ نساء کی آیت ”وان کان من قوم

بدینکم و بینہم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اہلہ۔ کو پیش کیا ہے

کہ یہاں بوجہ اطلاق دیت سے مراد دیت مہرودہ مراد ہے جو کہ دیت سلم ہے لیکن یہ بات اس

وجہ سے محل نظر ہے کہ اس سے مراد دیت سلم نہیں بلکہ اہل ذمہ کے متعلق دیت مشورہ ہے اور

وہ نصف دیت تھی۔ ثانیاً اگر اس کے اطلاق کو تسلیم کر لیا تو حدیث عمرؓ اس حدیث کو مقید

آیت کریمہ

کرتی ہے اور اخاف متعدد مقامات پر خود قرآن کے عموم کو احادیث سے مقید کرنے کے قائل ہیں۔ کمالا یحییٰ علی الماہر:

نکتہ آفرینی حنفی مسلک کی تائید میں یہ نکتہ آفرینی بھی قابلِ داد ہے، فرماتے ہیں کہ اس میں معاہدہ کی دیت کی کوئی تفصیل نہیں ہے جس سے ظاہر یہی ہے کہ معاہدہ کی دیت بھی وہی ہے جو صحیحے مومن کی بیان کی گئی ہے (ترجمان القرآن اپریل ۱۹۶۹ء)۔ موصوف کی تفسیر نگاری اور اس نکتہ آفرینی پر یقیناً تعجب کیا جائے کم ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں ہی نہیں بلکہ پورے قرآن اللہ سے لے کر والناس تک کہیں بھی مسلمان کی دیت کی تفصیل موجود نہیں تو کچھ شخص زورِ قلم سے قرآن کریم میں اس معنوی تحریف کا آخر کیا حکم بکہ سمجھے اس کی تفصیل ہے۔ یاد رہے اس آیت میں دوم تہ دیتہ مسلمۃ کا لفظ آیا ہے۔ پہلے دیت مسلم اور دومی جگہ ان الفاظ سے دیت ذمی وغیرہ مراد ہے۔ امام قرطبی پہلے الفاظ کے متعلق وضاحت فرماتے ہیں کہ:

ولعل یعین اللہ تعالیٰ فی کتاب ما یعطی فی الدیۃ وانما فی الایۃ
ایجاب الدیۃ مطلقاً وانما اخذ ذلک من السنۃ.
(تفسیر ص ۳۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دیت کی تعین و تشریح نہیں فرمائی بلکہ مطلق طور پر دیت کا حکم دیا لہذا اس کی تفصیل ہمیں حدیث سے لینا ہوگی۔

یہ امام قرطبی کی وضاحت ان الفاظ کے متعلق ہے جن کی طرف قاضی موصوف اشارہ کرتے ہیں کہ دیت مسلم وہاں بیان ہے۔ بہر حال قرآن مجید میں خبرِ عار سے زیادتی پر چیخ و پکار کرنے والوں کی طرف سے یہ جہالت اس بات کا مصداق ہے کہ:

فمن اظلم ممن افترى على الله كذبا ليفضل الناس بغير علم ان الله لا يهدي القوم الظالمين - (الانعام: ۱۳۴)

اور جہاں تک سنت سے وضاحت کا تعلق ہے وہ ہم انشاء اللہ صفحہ ۲۲۵ میں بیان کرتے ہیں کہ آیا احادیث کی روشنی میں دیت ذمی، دیت مسلم کے برابر ہے یا نہیں؟ احناف اس آیت کے علاوہ اپنے موقف کی تائید میں متعدد احادیث بھی پیش **احادیث** کرتے ہیں جن میں حضرت ابن عباس کی روایت مرفہرست ہے جسے امام ترمذی نے

بیان کیا ہے لیکن اس کی سندیں سعد ابو سعید بن المرزبان البقال ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

قال البخاری منكر الحديث وقال ابو حاتم لا يحتج به وقال النسائي
ضعيف ليس بثقة وقال ابن معين ليس يثني ولا يكتب حديثه و
قال عمرو بن علي ضعيف الحديث متروك الحديث (مقصد ۱۱ ص ۴۷)

۲۔ اسی طرح حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت ہے جسے امام بیہقی نے دو سندوں سے نقل کیا ہے۔ پہلی سندیں سابقہ ابو سعید البقال ہے اور دوسری میں حسن بن عمارہ متکلم فیہ ہیں۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

قال احمد متروك وقال ابن معين ليس حديثه بشئ وقال ابو
حاتم مسلم والدارقطني وجما عة متروك وقال شعبه يكذب
(بل قبل) الكذب الناس: ميزان ۱۱ ص ۱۵

۳۔ ایک روایت بیہقی میں ابن عمر سے ہے کہ ددی ذمیادۃ المسلمین اس کی سند میں ابوکرز متکلم فیہ ہے۔

قال الدارقطني ابوکرز هذا متروك الحديث ولم يرد عن شافع
غیره (نصب الراية ص ۳۶)

۴۔ ایک روایت اسامہ بن زید سے دارقطنی میں ہے جس کی سند میں عثمان التوامی متروک ہے۔

۵۔ ایک روایت سعید بن مسیب سے ابو داؤد کی مراسیل میں ہے جسے قاضی صاحب موصوف

نے ذکر کیا ہے کہ "دیتہ کلی ذی عہد فی عہدہ الف دینار" اسے کاش موصوف اس

کی سند بھی بیان فرمادیتے یا کم از کم اس کی تخریج ہی کر دیتے۔ تاہم علامہ زیلعی نے اس کی

مشافہی کے حوالہ سے سند نقل کی ہے جس کی سند میں محمد بن یزید متکلم فیہ ہے اور

دوسرے سفیان حین واسطی میں جس کی جرح و تعدیل کے متعلق مختلف اقوال ہیں لیکن چونکہ

دو زہری سے روایت کرتا ہے اور جب ذہبی سے روایت کرے تو بالاتفاق ضعیف ہے

چنانچہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

قال يحيى بن معين ليس بالحافظ ولا بالقوي في الزهري وقال النسائي

ليس به باس الا في الزهري وقال ابن حبان سيروى عن

الزہوی المقلد بات : (میزان الاعتدال)

۶۔ ایک روایت زہری سے مرسل بیان کی گئی ہے۔ لیکن مراسیل زہری کے متعلق علامہ شوکانی کا یہی قول کافی ہے جبکہ بعض دیگر محدثین نے بھی اہم زہری کی مراسلات کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ومراسیلہ قبیحۃ لانہ حافظ کبیر لایرسل الالحدۃ (نیل الاوطار ص ۶۶)
غرضیکہ اس سلسلہ میں جتنی بھی روایات پیش کی جاتی ہیں تمام کی تمام معلول و ضعیف ہیں اہم شوکانی ان روایات پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ومع هذا الحل فہذا الاحادیث معاضۃ بحديث الباب، وهو راجع
منها من جهة صحته وكونه قولاً بهذا فعلاً والقول راجع من
الفعل..... والراجح العمل بالحديث۔

الصحيح وطرح ما يثابله مما لا اصل له في الصححة (نیل الاوطار ص ۶۶)

یعنی "حدیث عمرواں احادیث پر باعتبار صحت ترجیح کے علاوہ اس وجہ سے بھی ترجیح ہے کہ وہ قول ہے اور یہ فعل — جبکہ اصول حدیث کے مطابق قول حدیث کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے بنا بریں اس راجح حدیث پر عمل کرتے ہوئے باقی تمام ایسی روایات کو ناقابل التفات سمجھنا چاہیے جن کا صحت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں؟

آثار مکھی پر مکھی | مذکورہ احادیث کے علاوہ اخلاف جن آثار کا سہارا لیتے ہیں ان میں اولین طور پر ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کا یہ قول ذکر کیا جاتا ہے کہ دور نبوت و خلافت وراثہ میں ذمی کی دیت مسلمان جیسی تھی اس اثر کو قاضی صاحب نے غلطی میں ذکر کیا ہے لیکن موصوف فرماتے ہیں کہ یہ اثر مراسیل ابی داؤد میں بسند صحیح مذکور ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مراسیل کے صلاً پر اس اثر کی کوئی سند نقل نہیں۔ معلوم نہیں موصوف کو کہاں سے وحی ہوئی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو اصل مراسیل کی زیارت ہی نصیب نہیں ہوئی۔ انھوں نے محض ملا علی قاری کی کتاب سے ہی نقل کرنے پر اکتفا کی ہے اور مکھی پر مکھی مارتے ہوئے "بسند صحیح" کا ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس کی سند ملا علی قاری نقل بھی نہ کر سکے صرف نظری حکم کو ہی کافی سمجھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے تعقید اعلیٰ کا ٹھوس ثبوت مہیا کیا اور نصب الراية سے نقل کر دیا

کہ بسند صحیح۔

احناف کی یہ روش قدیم یا فطرت ثانیہ کیسے جو تقلیدی جمود کا شاخسار ہے۔ ورنہ آج کے دور کا کوئی حنفی عالم ہمیں اس کی صحیح سند دکھا دے تو امانا و صدقاً۔۔۔ فاقوا برہانکم ان کنتم صدقین۔

موصوف اس اثر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ مرہیل ابن المہیب مدثرین کے نزدیک صحاح کا حکم رکھتے ہیں؟ اس حکم سے پہلے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جناب اس اثر کے بعد متصلاً اس بات کے نقل کا کیا معنی؟ کیا محض عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا مقصد ہے کہ فقہ حنفی کو تقویت مل سکے یا مرہیل بن ابی عبد الرحمن کے اثر کو صحاح میں داخل کرنا مطلب ہے؟ لیکن محترم اس مذہب کو کوشش کے دینا دی اور خودی نتائج کو بھی تو خدا را سامنے رکھیے؟

نیا ایڈیشن قرآن مجید مترجم

ترجمہ :- مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری
فوائد و حواشی :- مولانا محمد داؤد راز کوڑگانوی

قرآن مجید کے شروع میں ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں مولانا محمد اسماعیل اسلمی مرحوم (گوجرانوالہ) اور قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کے علاوہ مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری اور مولانا داؤد راز کے اہم مضامین شامل ہیں..... بڑھیا، پائدار اور دیدہ زیب کاغذ۔ بڑے سائز کے ۸۰۰ صفحات۔ موٹے خط میں دورنگی عکسی طباعت۔ جلد انتہائی مضبوط۔

ہدیہ :- ۱۲۵ روپے

ناشر: فاروقی کتب خانہ سرین بوہڑ گیٹ ملتان

حافظ منظم احمد ایم اے لیکچرار دینی بینورشی فہمیل آباد

پاکستان میں اسلامی قانون نفاذ کی عملی تدابیر

نفاذ شریعت کا ایک اور نقطہ نظر ————— تدریج

پاکستان میں اسلامی قانون کا اجراء آجکل ہماری گفتگو کا ایک اہم موضوع ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے اور ملک میں اسلامی قانون جاری کرنے کے لیے جن ذرائع تدبیر کا اختیار کرنا ضروری ہوا نہیں عمل جامہ پہنایا جائے؟

اسلامی قانون کے اجراء کے متعلق بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات پائی جاتی ہے، کہ نظام حکومت کے تغیر کا اعلان ہوتے ہی پچھلے تمام قوانین یک بخت منسوخ ہو جائیں گے اور اسلامی قانون بیک وقت نافذ ہو جائے گا؛ لیکن یہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ملک کے قانون کا اس کے اخلاقی معاشرتی معاشی اور سیاسی نظام کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے، جب تک کسی ملک کا نظام زندگی اپنے تمام شعبوں کے ساتھ نہ لائے اس کے قانونی نظام کا بدل چانا ناممکن نہیں، خاص کر اس حالت میں کہ انگریزی تسلط نے ہماری زندگی کے تمام پورے نظام کو اسلامی اصولوں سے ہٹا کر غیر اسلامی اصولوں پر چلایا اور اب اسے پھر بدل کر دوسری بنیادوں پر لانا کسی قدر محنت طلب ہے؟

اگر فی الواقع ہم اسلامی قوانین کے نفاذ کو کامیاب بنانا ہے تو ہمیں اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنا ہوگی کہ اجتماعی زندگی میں جس قدر تغیرات ہونے میں ہند بھگ پہلو نمایاں ہوتا ہے؛ انقلاب جتنا اچانک ہوگا اتنا ہی ناپائیدار ہوگا؟ ایک مستحکم اور پائیدار کیسے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں کامیاب طریقے سے بڑھے تاکہ اس کا یہ گوشہ دوسرے گوشہ کا سہارا بن سکے؟

عہد نبوی کی مثال

وہ انقلاب جو سرزمین عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا وہ آنا فانا نہیں ہوا بلکہ اگر عظیم مقصد کے لیے آپ نے معاشرے کو تیار کیا؛ اس کی تیاری کے ساتھ ساتھ جاہلیت کے سابقہ طریقوں اور رواجوں کو بدل کو نئے اسلامی طریقے اور قاعدے جاری کیے؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسلام کے بنیادی خصوصیات اور اخلاقی اصولوں کو لوگوں کے سامنے پیش کیا رفتہ رفتہ لوگ اس دعوت کو قبول کرنے لگے۔ انہیں تربیت دے کر ایک ایسا مصلح گروہ تیار کیا جن کا

ذہن ٹھک اور عمل خالص اسلامی تھا جب یہ کام ایک حد تک پائیدار بن گیا تو آپ نے دوسرا قدم اٹھایا کہ آپ نے مدینے میں ایک ایسی حکومت قائم کی جو خالص اسلامی نظریے پر مبنی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ زندگی کے تمام شعبوں کو اسلامی تعلیم کے مطابق ڈھالا جائے لیکن یہ سب کام ایک ایک اور ترتیب کے ساتھ آگے بڑھا۔ چنانچہ وراثت کا قانون سترہ میں نافذ ہوا، نکاح اور طلاق کے قوانین رفتہ رفتہ سترہ میں جا کر مکمل ہوئے۔ فوجداری قوانین ایک ایک کر کے کئی سال تک نافذ کیے جاتے رہے یہاں تک کہ ان کی تکمیل سترہ میں ہوئی، شراب کی بندش بھی ایک وقت نہیں ہوئی۔ اسی طرح جب ملک کا پورا معاشی نظام نئے سانچوں میں ڈھال لیا گیا تب سترہ ہجری میں سود کی قطعی حرمت کا قانون نافذ ہوا۔

مغربی دور کی مثال

جب برصغیر پاک و ہند میں انگریزی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ایک سخت یہاں کا نظام نہیں بدل ڈالا ان کی حکومت سے پہلے چھ سات سو برس سے یہاں کو پورا نظام زندگی اسلامی فقہ پر چل رہا تھا اسنے پرانے نظام کو ختم کرنا اور اس کی جگہ پر ایک نئے نظام زندگی کو کھڑا کرنا ایک دن کا کام نہیں تھا، تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کا اقتدار قائم ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک اسلامی فقہ رائج رہی۔ عدالتوں میں قاضی ہی فیصلے کرتے تھے انگریزوں کو یہاں کا قانونی نظام بدلتے بدلتے ایک صدی لگ گئی۔ انہوں نے یہاں کا نظام بدل کر پہلے اپنے مطلب کے آدمی پیدا کئے۔ اپنے خیالات کی اشاعت کے ذمہ منوں کو بدلا اپنے اقتدار کے اثر سے لوگوں کے اخلاق تبدیل کیے آج ہم بھی وطن عزیز میں اسلامی قانون رائج کرنا چاہتے ہیں ہمارے لیے بھی انگریزی حکومت کے صد سالہ نقوش کو کھرچنا اور نئے نقوش قائم کرنا محض اسلامی نظام کے نفاذ کے اعلان سے ممکن نہ ہوگا بلکہ اس عظیم مقصد کے لیے ایک طویل جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا۔ ہمارا پرانا نظام تعلیم زندگی اور اس کے عملی مسائل سے ایک مدت دراز تک بے تعلق رہنے کی وجہ سے اس قدر بے جان ہو چکا ہے کہ اس کے فارغ التحصیل میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ایک جدید ترقی یافتہ ریاست کے بچ اور مجسٹریٹ بن سکیں۔ دوسری طرف موجودہ نظام تعلیم نے جو لوگ پیدا کیے وہ اسلام اور اس کے قوانین سے بالکل نا آشنا ہیں پھر ان میں بھی بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کی ذہنیت اس تعلیم کے نہریلے اثرات سے محفوظ رہی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ سو ڈیڑھ سو سال معطل رہنے کی وجہ سے ہمارا قانونی ذخیرہ بھی رفتار زمانہ سے کافی پیچھے رہ گیا ہے اور اسے موجودہ دور کی عدالتی ضرورتوں کے مطابق کافی وقت چاہیے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک مذہب تک اسلامی اثر سے آزاد اور انگریزی حکومت کے تابع رہنے کی وجہ سے ہمارے اخلاق تمدن معاشرت و معیشت اور سیاست کا نقشہ اسلامی نقشے سے بہت حد تک مختلف ہو چکا ہے۔ لہذا اسلامی انقلاب کو کامیاب بنانے کے

یہ ہیں زندگی کے ان تمام گوشوں کو اسلامی ضابطوں سے روشناس کرانا ہوگا۔

صد اول میں جو اسلامی انقلاب ہوا اس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں آدمی تیار کیے۔ تعلیم و تبلیغ کے ذریعے ان کے خیالات بدلے۔ حکومت کے پورے نظم و نسق کو معاشرے کی اصلاح کے لیے استعمال کیا۔ باطنی قریب میں انگریزوں نے جب ہمارے نظام زندگی بدلاتے تو انہوں نے بھی کارایسے لوگوں کے ہاتھ میں دی جو اس تغیر کے خواہش مند تھے اور اس لیے کام کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد اور نقشے کو پیش نظر رکھ کر پیہم اس تغیر کے لیے کام کیا۔ اس طرح پاکستان میں تعمیر حیات اسلامی کے لیے ضروری ہے کہ جمہوری انتخاب کے ذریعے اس ریاست کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل کی جائے جو اسلام کو جانتے بھی ہوں اور اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھانا بھی چاہتے ہوں۔ پھر اس کے بعد اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ہمہ گیر اصلاح کا ایک منصوبہ بنایا جائے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے تمام ذرائع و وسائل استعمال کئے جائیں۔ تعلیم کا نظام بدلا جائے۔ ریڈیو سینما اور پریس کی تمام طاقتیں لوگوں کے خیالات بدلنے کے لیے صرف کی جائیں۔

اجزائے قانون اسلامی کے لیے تعمیری کام

ملک کے قانونی نظام کو بدلنے اور اسلام کے قوانین جاری کرنے کے لیے قریب قریب ہر شعبہ زندگی میں بہت سے تعمیری کام کرنے پڑیں گے کیونکہ مدت بادت کے تعطل اور غیر ملکی تسلط نے ہمارے تمدن کے ہر گوشے کو بری طرح مسخ کر رکھا ہے۔

۱۔ مجلس قانونی کا قیام! پچھلی صدیوں میں دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں نے جس قدر سلطنتیں قائم کیں ان سب کا قانون فقہ اسلامی پر تھا۔ ان کا تمدن نہایت اعلیٰ درجے کا تھا ان کے وسیع تمدن کی ساری ضرورتوں پر فقہاء نے اسلامی قانون کو منطبق کیا۔ یہی فقہاء ان اسلامی سلطنتوں میں نج مجسٹریٹ اور چیف جسٹس ہوتے تھے۔ ان کے فیصلوں سے نظائر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء اور قانون دان اشخاص کا ایک ایسا با بصیرت گروہ ان بزرگوں کے چھوڑے ہوئے ذخیرے کا جائزہ لینے کے لیے مامور کیا جائے جو ان سے کارآمد حصے کو قانونی کتب کے طور پر مرتب کرے۔ تاکہ ان سے کما حقہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اسی طرح علم قانون میں جو کام ہمارے اسلام کر چکے ہیں ان کی ضروری کتب کو جو فقہ اسلامی کے لیے ناگزیر ہیں انہیں اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ ساتھ ہی احکام القرآن پر مفید کتب کو اردو میں منتقل کرنا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں قیمتی ذخیرہ کتب احادیث کی ہے انکی شروح میں احکام کے علاوہ نظام اور تشریحی بیان کا بھی بہترین مواد ہے اس کے بعد فقہ میں ان بڑی بڑی کتابوں کو بھی اردو کا جامہ پہنانا ہوگا جو اس علم میں اعلیٰ کتب کا درجہ رکھتی ہیں پھر ہمیں

اصول قانون اور حکمت تشریع کی بھی بعض کتب کو اردو میں ترجمہ کرنا ہو گا تاکہ انکی مدد سے ہمارے قانون دان طبقے میں اسلامی فقہ کا صحیح تصور اور اسکی روح سے گہری واقفیت پیدا ہو۔ ان کتابوں کے متعلق بس انکا کرنا ہی کافی نہیں کہ ان کے ترجمے اور اردو زبان کا لیکھا اور دیا جائے بلکہ ان کے مضامین کو موجودہ زمانے کی قانونی کتب کی طرز پر از سر نو مرتب کرنا ہو گا۔ نئے نئے عنوانات قائم کرانے ہونگے۔ مسائل کو ایک عنوان کے تحت لانا ہو گا۔ فہرستیں بنانا پڑیں گی۔ اس محنت کے بغیر یہ کتابیں آج کی ضروریات کیلئے کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی ہیں۔ قدیم زمانے کا طرز تدوین کچھ اور تھا اور اس زمانے میں قانونی مسائل کے ایسے اتنے مختلف عنوانات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے جتنے آج پیدا ہوئے ہیں مثلاً فوجداری قانون کیلئے ان کے ہاں الگ عنوان نہیں تھا۔ بلکہ اس کے مسائل دیات، حیاتا اور حدود کے مختلف عنوانوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ مالیات اور معاشیات وغیرہ کے نام ان کے ہاں نہ تھے لیکن اس طرح کے تمام مسائل کو کتاب البیوع و کتاب الصرف اور کتاب المضاربتہ اور کتاب المضارعت میں شامل کر دیا گیا اگر ان کتب کو جوں کا توں اردو میں نقل کر دیا جائے تو ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانا مشکل ہو گا ضرورت اس امر کے کہ اہل علم جو قانون پر گہری نظر رکھتے ہوں اس پر کام کریں۔ انکی قدیم ترتیب بدل کر انکے مفید مواد کو جدید طرز پر مرتب کریں۔

۲۔ تدوین احکام اور اس سلسلے میں ضروری کام یہ ہے کہ علماء اور ماہرین قانون کی ایک ایسی مجلس قائم کی جائے جو اسلام کے قانونی احکام کو دور جدید کی کتب کے طرز پر تدوین کریں۔ قانون صرف چار چیزوں کا نام ہے۔ کوئی حکم جو قرآن کریم سے کسی قرآنی حکم کی تشریح و تفصیل یا کوئی مستقل حکم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو کوئی استنباط قیاس یا اجتہاد جس پر امت کا یا جمہور علماء کا ایسا فتویٰ ہے جسے سارے مسلمانوں کی عظیم اکثریت تسلیم کرتی ہو۔ اس قبیل کا ایسا امر جس پر ہمارے ملک کے اہل حل و عقد کا جمہوری فیصلہ ہو جائے۔ پہلے تین قسم کے احکام کو ماہرین کی یہ جماعت ایک مجلہ احکام کی شکل میں مرتب کرے۔ پھر جو قوانین آئندہ اجماعی اور جمہوری فیصلے بنتے جائیں اس کا اضافہ کتاب امین میں کیا جاتا رہے۔ اگر اس قسم کا مجلہ احکام بن جائے گا۔ اس سے عدالتوں میں اسلامی قانون کی تنفیذ اور کالوں میں اس کی تعلیم آسان ہو جائے گی۔

۳۔ قانونی تعلیم کی اصلاح اُمید ضروری کام یہ ہے کہ ہم اپنے ہاں قانون کا سابقہ طریقہ بدل دیں۔ اپنے کالوں کے نصاب اور طریق تربیت میں ایسی اصلاحات کریں جس سے ہمارے طلبہ قانون کی تنفیذ کیلئے عملی اور اخلاقی دونوں حقیقتوں سے تیار ہوں۔

اس وقت جو تعلیم ہماری قانونی درس گاہوں میں دی جاتی ہے وہ ہمارے نقطہ نظر سے بالکل ناکارہ ہے اس لیے غلط ہو کر نکلنے والے صرف یہی نہیں کہ اسلامی قانون کے علم سے کوئی بے بختی میں بلکہ ان کی ذہنیت بھی غیر اسلامی افکار کے سانچے میں ڈھل رہی ہو تو اس کے اندر اخلاقی صفات بھی ویسی ہی پیدا ہو جاتی ہیں جو مغربی قوانین کے اجرا کے لیے موزوں

ہوتی ہیں مگر اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے لیے قطعاً غیر موزوں ہوتی ہیں اس صورت کو جب تک نہیں بدلا جاتا اور اپنی درگاہوں میں مجیدی فیقہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے ہمیں وہ آدمی فراہم نہیں ہو سکیں گے جو ساری عدالتوں میں قاضی اور مفتی کے فرائض سرانجام دے سکیں اس مقصد کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ لاکھوں میں داخلہ کیلئے عربی زبان کی اتنی واقفیت ضرور لازمی قرار دی جائے جس سے قرآن حدیث اور فقہ سے استفادہ ممکن ہو۔

۴۔ اسلامی قانون میں رسوخیت کیلئے بعض مضامین کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ دور جدید کے اصول قانون کے ساتھ ساتھ اصول فقہ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ نیز طلبہ میں فقہ کا پورا فہم پیدا کرنے کے لیے تمام مکاتب فکر کی فقہی کوششوں کا غیر متعصبانہ مطالعہ نہایت ضروری ہے فقہائے اسلام کے جمع کیے ہوئے ذخیرے پر سچیں نظر رکھے بغیر ہم پیش کردہ مسائل کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

تعلیم کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے لاکھوں کے طلبہ میں اخلاقی تربیت کا خاص انتظام کرنا ہے تاکہ ان دانش گاہوں سے بلند کردار قاضی اور مفتی پیدا ہو سکیں جن کی راست بازی اور عدل و انصاف پر پورا اور اعتماد کیا جاسکے جن کی دیانت شک و شبہ سے بالاتر ہو۔ کوئی لالچ کوئی خوف اور ذاتی دلچسپی اور کسی کی محبت و نفرت انہیں صحیح فیصلہ کرنے سے روک نہ سکے۔

۵۔ عدالتی نظام کی اصلاح! اسلامی قانون کے اجراء کی خاطر زمین ہموار کرنے کے لیے اپنے عدالتی نظام میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔ اولین اصلاح طلب معاملہ پیشہ وکالت ہے جو موجودہ عدالتی نظام کی بدترین خرابیوں میں سے ایک ہے اسلام کے مزاج سے اس پیشے کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ظاہری اعتبار سے وکیل کا کام یہ ہے کہ وہ عدالت کے قانون کو سمجھے اور مقدمہ زیر سماعت کے حالات پر اسے منطبق کرے۔ اصولاً یہ ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس ضرورت کو عمل جامہ پہنانے کے لیے جو صورت طریقہ وکالت کی شکل میں اختیار کی گئی ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ عموماً ہوتا یوں ہے کہ ایک وکیل قانونی ہمارت حاصل کر کے بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور نیا رہنما ہے کہ جو شخص اس کے دماغ کی فیس ادا کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے وہ اس کے حق میں قانون نکالت سوچنا شروع کر دیتا ہے اسے اس بحث سے کوئی تعلق نہیں کہ اس کا موکل حق پر ہے یا باطل پر اپنا حق لینا چاہتا ہے یا دوسروں کا حق دینا چاہتا ہے۔ اسے اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ قانون کا منشا کیا ہے؟ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس شخص نے فیس ادا کی ہے اور میرا کام اس کی حقارت کرنا ہے وہ مقدمہ کو قانون کے مطابق بناتا ہے۔ کمزور پہلوؤں کو چھپاتا ہے اور موافق پہلوؤں کو ابھارتا ہے حقیقت اس پیشہ وکالت نے ہمارے نظام عدل و انصاف کو بہت نقصان پہنچایا اس نے قانون کی پیروی کی بجائے اس کی خلاف ورزی کو وسعت دی پچھل کس بارہ صدیوں میں مسلمانوں نے آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت کی اس طویل دور میں کہیں بھی اس پیشہ قانونی کی موجودہ صورت نظر نہیں آئی۔ یہاں یہ سوال کہ اگر لوگ مقدمہ کو ضابطہ کے مطابق عدالتوں کے سامنے

پیش کرنے والے نہیں ہونگے تو اس سے اہل مقدمہ کو بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم مخاری کے پرانے طریقہ کو زندہ کریں جو ہماری عدالتوں میں پہلے سے رائج تھا۔ ہمارے لاء کالجوں میں ایسی ضمنی کلاسوں کا انتظام ہونا چاہیے جن میں متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ کو ضابطہ قانون پڑھایا جائے اور عملاً عدالتی طریق کار سے آگاہ کیا جائے ان لوگوں کا محض کام یہ ہوگا کہ مقدمہ کو ضابطہ کی صورت میں تیار کر کے عدالت میں پیش کریں اور مختلف مراحل میں اہل مقدمات کو عدالتی طریق کار سے آگاہ کریں اگر یہ لوگ فیس لے کر پکٹیش کریں گے تو اس سے وہ خرابیاں پیدا نہیں ہونگی جو پیشہ وکالت میں ظاہر ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہماری عدالتیں اسلامی معیار پر قائم ہوں اور ان سے انصاف حاصل کرنا ایک تجارتی کاروبار نہیں بلکہ ایک عبادت اور بلا معاوضہ خدمت ہے۔

وہ بعد مرگ لحد میں ہمیں اتار آئے

(عبد الرحمن عابدی بالیکوٹوی)

وفا شہار بہر گام کامگار آئے
یقین دل کو نہ آنکھوں کو اعتبار آئے
گزر کے دیر و حرم سے وہ سوئے دار آئے
کہاں کہاں تیرے تیدا تجھے پکار آئے
نہ جانے کتنے یہاں ایسے تاجدار آئے
جو روز و شب کہ مدینے میں ہم گزار آئے
چمن میں ایسی نہ یارب کبھی بہار آئے
مرے کریم اسے کس طرح قرار آئے
وہ بعد مرگ لحد میں ہمیں اتار آئے
ربانہ غم کوئی جس دم تو غمگزار آئے

رہ و ف میں مراحل تو بے شمار آئے
کوئی نہ کام زمانے میں کیجے ایسا
جنہیں خبر تھی شہادت کا مرتبہ کیا ہے
کہاں کہاں دل بے تاب لے گیا ان کو
کہاں گئے ہیں خدا جانے قیصر و فقور
وہ روز و شب ہمیں یاد آ رہے ہیں روز و شب
فسرہ کلیاں ہوں گل ندو بہر نگوں غنچے
ہے جس کے سامنے یوم حساب کا منظر
جو زندگی میں بٹھاتے تھے اپنی آنکھوں پر
ہے غم نہی کہ کبھی غم تھا اور دل غمگین

فضائے گلشن عالم ہے غم فضا عاجز
جو آئے گلشن عالم میں اشکبار آئے

جہاد کی حقیقت

جہاد کے لغوی معنی ہر وہ کوشش اور محنت ہے جو کسی معین مقصد کے لیے کی جائے اور اصطلاح میں اس محنت اور کوشش کو کہتے ہیں جو اللہ کے لیے اللہ کی راہ میں، اسلام کے لیے۔ نظام ملت کے لیے یا استحکام شہداء اللہ کے لیے کی جائے (دائرة معارف اسلامیہ) یہ لفظ قرآن میں کبھی لغوی معنوں میں اور کبھی اصطلاحی معنوں میں متعدد مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

اس دنیائے زمین پر اخلاق و آداب، عبادات و معیشت، سیاست و معاشرت۔ الغرض تمام معاملات میں قدم قدم پر بہر خیر کے ساتھ ساتھ شر کا عنصر بھی کار فرما ہے۔ اسلام ام بالمعروف (خیر) کا داعی ہے اور بنی عن المنکر (بشر) کی نفی کرتا ہے۔ اس کوشش کو شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا ہے۔ اس لیے راہ خدا میں جہاد کرنے کا مفہوم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کی رضا کی خاطر اس کے دین برحق کی سربلندی کے لیے وہ سب کچھ کر ڈالا جائے جو انسان کے دائرہ اختیار میں ہو۔ اس مقصد اعلیٰ کے حصول میں پوری قوتیں صرف کر دینے کا نام جہاد ہے۔ زیادہ معین معنوں میں جہاد۔ اسلام کا فریضہ بھی ہے اور ہر مسلمان پر واجب بھی ہے کہ بطور عبادت وہ ہر کوشش اور محنت کو جو ملت کے استحکام میں اعلیٰ کلمۃ الحق میں مظلوم بھائیوں کی حمایت میں اسلامی ریاست کے خلاف حملہ آوروں کے مقابلہ میں بار آور ثابت ہو سکے۔ منتشر قین کی یہ کچھ نہیں ہے کہ جہاد محض ہوس دولت اور ملک گیری کے سلسلہ میں لڑائی کا نام ہے۔ جنگ (قتال) ضرور جہاد میں شامل ہے مگر یہ جہاد کی آخری اور انتہائی صورت ہے۔ اس امر کی وضاحت ضرور ہے کہ اسلامی امانت کے لیے جنگ کرنا واحد وسیلہ نہیں ہے۔ مگر جب اللہ کا بول بالا کرنے اور کلمۃ اللہ کے اعلیٰ باطل قوتوں سے بنگ ناگزیر ہو جائے اس وقت تک استقامت کے لیے تلوار سے جہاد (جنگ) ایک بنیادی ضرورت بن جاتی ہے۔ امام بخاری نے عبد اللہ بن عمر سے اندرونی مشجرت کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ قتل کو کچلنے کے لیے پہلے سامان ہیا کر، عقل اور شریعت کا حکم ہے

جذبات جب انجام مبنی سے یکسر غالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے گوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کیلیبی کا راز جوش کے ساتھ ساتھ ہوش میں پنہاں ہے (قر جان السنہ)

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد صرف جنگ کرنے ہی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ تعمیر حیات کی ایک جہم ہے۔ یہ ایک جہد مسلسل ہے۔ اسلام کی فضیلت اور کفر کی فضیلت کی تبلیغ کرنا (قلم سے یا زبان سے) اور اپنے مال و دولت کو اسلام کے قیام میں خرچ کرنے کی جہد و جہد کرنا ضروری ہے اور جب کوئی چارہ نہ رہے تب دین متین کی خاطر دشمنان اسلام سے جنگ (تلاوت سے جہاد) کرنا برحق ہو جاتا ہے۔ اداس جہد مسلسل میں تمام یا کسی ایک میں حصہ لینے والے کو جہاد میں شریک سمجھنا واجب ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک بھی فرمایا کہ سلطان جابر یا بے دین کے سامنے کلمہ حق کہنا بھی جہاد ہے۔ (سید سلیمان ندوی۔ سیرۃ النبی)

ہمیں اعتراف ہے کہ بعض مسلمان بادشاہوں کا اصول جنگ جہاد بنانی نہیں تھا بلکہ مقصد جہاد داری تھا جس کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جہاد ایک مقصد ارتفع کی بازیابی کے لیے ہوتا ہے نہ کہ سخت و دولت کی دستیابی کے لیے۔ جن بادشاہوں نے جہاد پر قانون قرآنی کے مطابق عمل کیا وہ جزا کے مستحق ہوں گے اور جنہوں نے ایسا نہ کیا وہ خود خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ سیدھی سچی بات یہ ہے کہ ہمارے لیے قانون ربانی ہی حجت ہے اور اس کے خلاف گٹھلی فعل باعث حجت نہیں بن سکتا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور انھیں جن ادیان کی سربراہیاں سونپی گئیں ان سب میں قدر مشترک تو حید تھی۔ یہ بنی نوع انسان کا ایک ایسا ازلی اور ابدی عقیدہ تھا اور ہے جو زمان و مکان کی قیود و قدغن سے بالا تو ہے۔ تمام انبیائے کرام کو پے درپے تاکید و ہدایت کی جاتی رہی کہ ہر حالت میں گم کردہ راہ انسانیت کو تو حید کی تبلیغ اور تو حید حق کی تلقین کرتے رہیں۔ کسی نبی کے لیے تو حید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معنوی۔ اعتقادی اور عملی تقاضوں کو بذات خود سمجھ لینا یا ان پر عمل درآمد کرنا ہی کافی نہ سمجھا گیا۔ بلکہ واضح ہدایات ارسال فرمائی گئیں کہ وقت اور حالات کی پابندیوں، مصلحتوں، اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر دنیا کے بندگان عقل و خرد اور نوکران محسوسات میں کلمہ کھلا راہ ضیاء۔ تو حید کے فہم و ادراک کے لیے جہاد (جد و جہد)

کہہ رہے۔ چونکہ توحید ہی وہ فلسفہ ہے اور فطری عقیدہ ہے جو انسان کو ہر ممکن لغزش سے محفوظ کر کے تائید ایزدی پر مکلف کرتا ہے۔ اس عقیدہ کو ہر جہت میں اسلام کے نام سے ہی یاد کیا گیا۔ صحیفہ ابراہیم سے لے کر خاتم الانبیاء تک اسلام کا مذہب ہی انشراح ہدایت بنا رہا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔ جس میں برائی سے گریز اور سچائی کا پھیلنا افضل ہے۔ اگر ہم ان عوامل کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں کہ وہ کون کون سی قوتیں ہیں جنہوں نے اس مذہب کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور اس جہد و جہد میں کون کون سے وسائل کار فرما رہے۔ تو ایک مبصر ہرگز ہرگز یہ کہنے کا جواز نہیں رکھتا کہ یہ مذہب تلوار سے پھیلا ہے۔ مذہب اسلام کی وسعت اور کامیابیوں کی تاویلات جو مغربی مفکرین اور مستشرقین نے پیش کی ہیں وہ ان دکا کے وقت سینٹ لوئیس کے احکامات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ جس نے حکم دیا تھا کہ جب کوئی شخص عیسائی مذہب کی مذمت میں کوئی لفظ کہے تو دین کی حمایت میں تلوار کا اس طرح وار کر دو کہ اس منکر عیسائیت کے سپیٹ میں پوری اتر جائے (جے جے، بول سینٹ لوئیس) اس کے برعکس اسلام میں فریضہ تبلیغ ایسی چیز نہیں بلکہ۔

ترجمہ۔ لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی شخصیت کے لیے بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو جو بہت اچھا ہو۔ (النحل ۱۲۶)

ترجمہ۔ جن لوگوں نے انبیاء کے بعد ورثے میں کتاب پائی ہے وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ اس لیے ان کو بلائیے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیے۔ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور کہہ دیجیے کہ میں ایمان لایا ہوں۔ اس کتاب پر جو خدا نے اتاری ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اللہ ہمارا پروردگار ہے۔ ہمارے لیے عمل ہیں اور تمہارے لیے عمل ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہمیں اکٹھا کرے گا اور ہمیں اس کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے۔ (الشوریٰ ۱۳-۱۴)

یہ تھیں وہ ہدایات جو دین اسلام کے پیروکاروں کے لیے نازل فرمائی گئیں۔ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو محسوس کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو مسلمان بنانے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا کہ ان کو وارثہ حکومتِ الہیہ میں داخلے کے لیے کوشش کی۔ فتوحات جو جنگ کے ذریعہ بھی کی گئیں وہاں بھی مسلمانوں کی غایت یہ ہرگز نہ تھی بلکہ مقصد اولیٰ یہی تھا کہ غیر مسلموں کو حکومت

اسلام کے زیر نگین کر لیا جائے۔ قرآن میں کسی جگہ بھی کسی شخص کے مذہب کو جبراً تبدیل کرانے کی اجازت نہیں ہے۔ پورے قرآن پاک میں ٹھیکہ کسی کو ایسی کوئی بھی ایک نظیر نہیں ملتی ہے جس سے جبری تبدیل مذہب کی تاویل نکل سکتی ہو۔ اس کے برعکس اشاعت اسلام کی نصیحت اور دستگیری فکر و عمل کی ترغیب ہر جگہ نظر آتی ہے۔ آپ کے پیش نظر حضور رحمتہ للعالمین کی سیرت طیبہ کی روشن مثال موجود ہے کہ آپ نے اسی تعلیم و تلقین کی رو سے تمام دفاعی لڑائیاں لڑیں۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہمیشہ صرف نظریہ اور عمل کی درستگی کا متقاضی رہا ہے۔

لفظ جہاد کا مادہ ج ہ د ہے جو مختلف الفاظ سے مشتق ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ کم بیش ۲۸ مقامات پر اپنے مادہ کی مختلف مشتقات کی اشکال میں نظر آتا ہے۔ سورہ بقرہ میں ایک مرتبہ سورہ آل عمران میں ایک مرتبہ، سورہ نساء میں ۳ مرتبہ۔ سورہ مائدہ میں ۳ مرتبہ۔ سورہ انفال میں ایک مرتبہ۔ سورہ توبہ میں یہ لفظ مختلف صورتوں میں ۱۲ مرتبہ۔ سورہ نحل میں دو مرتبہ۔ سورہ الحج میں ایک مرتبہ۔ سورہ النور میں ایک مرتبہ۔ سورہ فرقان میں دو مرتبہ، سورہ فہم میں ایک مرتبہ۔ سورہ فاطر میں ایک مرتبہ۔ سورہ الحجرات میں ایک مرتبہ، سورہ محمد میں ایک مرتبہ، سورہ صافات میں ایک مرتبہ اور سورہ متحہ میں ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ان آیات و بابی میں کسی جگہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنا مقصود ہے۔ کسی جگہ کافروں اور منافقوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی کوشش پر وعظ و تلقین ہے۔ کسی جگہ امر بالمعروف نہ کرنے اور گھروں میں چھپے بیٹھے رہنے والوں پر اللہ کی راہ میں شقت اٹھانے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کسی جگہ اللہ کے راستہ میں محنت اور کوشش کرنے والوں کو ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کسی جگہ مہاجرین کو پناہ دینے اور ان کی مدد کرنے کی ہمائش کی گئی ہے۔ کسی جگہ قرآنی احکامات پر چلنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ کسی جگہ منافقوں اور کافروں کو بدست بنانے والوں پر لعن طعن کیا گیا ہے۔ کسی جگہ واضح کیا گیا ہے کہ نام کے مسلمان اور بیچ بچ جو اللہ کی راہ میں کوششیں کرتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے کسی جگہ اللہ کے خوف اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنے کی طرف راغب کیا گیا ہے۔ الغرض لفظ جہاد یا اس کے مشتقات جو قرآن پاک میں جتہ جتہ استعمال ہوئے ہیں قطعی طور پر یہ وضاحت نہیں کرتے کہ کافروں کو بلا وجہ قتل کرنے یا کسی پر امن غیر مسلم حکومت پر چڑھ دوڑنے اور جنگ و جدال کرنے کا نام جہاد ہے۔

آپ یہ معلوم کر کے حیران ہو جائیں گے کہ قرآن پاک میں جہاد کو تمام انسانی اعمال میں ایمان کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ اگر فہم و ادراک کو بروئے کار لائیں تو محسوس ہو گا کہ واقعی جہاد فی سبیل اللہ تمام فضائل و کمالات اخلاق کی روح ہے۔ اس لیے کسی جگہ بھی جہاد کے لیے یہ کہہ کر رغبت نہیں دلائی گئی کہ تم خدا کے لیے کوشش کرو۔ تبلیغ کرو یا لڑائی لڑو اور اس کے بدلہ میں تمہیں مال و دولت ملے گی۔ تاج و تخت ملے گا۔ عزت و ثروت ملے گی۔ سلطنت و حکومت ملے گی بلکہ اس کے برعکس جہاں اللہ کی راہ میں کوشش، جدوجہد اور فحشیں کرنے کی اہمیت کا بیان کیا۔ فرمایا گیا ہے کہ اس کے عوض میں محض تمہیں خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ خدا کے ہاں بڑا درجہ ملے گا۔ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کا وعدہ اور دائمی بہشت میں قیام گاہ کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

جو لوگ یہ تصورات رکھتے ہیں اور یہ توجہات پیش کرتے ہیں کہ جہاد صرف تلوار سے دین اسلام پھیلانے کا نام ہے اور صرف تلوار کے ساتھ جہاد کرنے سے ہی اسلام پھیلے گا زمین پر پھیلے گا۔ ان کی یہ کم عقلی اور کوتاہ بینی سچا اور مصلحتاً تاریخ کی قلت کا سبب ہے۔ روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک کوئی خطہ زمین اس وقت ایسا نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی اسلام کا نام لیا موجود نہ ہو۔ یہ صرف جہاد (یا تعلم یا بالسان) کو ہی حاصل ہوا۔ مبلغین اسلام نے کفار اور منکرین کو دائرۃ اسلام میں لانے کے لیے بغیر جبر و اکراہ جو کوششیں کی ہیں وہ آج اظہر من الشمس ہیں۔ اب کوئی ان سے یہ پوچھے کہ چین، براہ، ملایا، فلپائن، جاوا، سائٹا، آسٹریلیا، شمالی امریکہ، جزائر مغرب الہند اور ایسی ہی متعدد ممالک میں اسلام کی اشاعت کے اسباب کیا تھے؟ ہرگز نہیں۔ حالات میں انقلاب کیسے آیا۔ یکایک ہوا کا رخ کیسے بدل گیا۔ حقیقتیں کیسے پٹ گئیں۔ ساکنین ارض کے سابق نظریات و دلائل کیوں غلط ثابت ہوئے۔ بڑی بڑی قدیم سلطنتیں خس و خاشاک کی طرح کیوں بگڑ گئیں۔ آلات حرب اس سیلاب کو کیوں نہ روک سکے۔ یہ سیلاب ہزار ہا سال کی پرانی تہذیبوں کو کیوں بہا لے گیا۔ اقوام و ملل کے عقائد و نظریات کیسے تبدیل ہو گئے اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے؟ یہ تھا وہ جہاد۔ یہ یقین تبلیغ اسلام کی وجہ پناہ اور ان فحک کوششیں جنہوں نے کفار کے جوہر و تعدی سے کروڑوں افراد کو نجات دلائی۔

پروفیسر آرنلڈ نے اسلام کی روحانی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا ہے

کہ تبلیغ ہی وہ مؤثر حربہ ہے جو دین اسلام میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ اسلام میں جہاد یا سیف ہی اسلام کی اشاعت کی بنیاد ہے۔ جس زمانہ میں تاریخی لشکر و مل نے بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا بغیر بڑی نڈرتے مسلمانوں کو قریب سے باہر نکال دیا۔ سرزمین اُرد میں مسلمانوں کی آخری جلتے پناہ غرناطہ بھی عیسائی حکومت کا باج گزار بن گیا۔ عین اسی زمانہ میں اسلام نے جزائر سمائرا، بورنیو، جاوا میں اپنے قدم جما لیے اور مجمع البحرین اثر ملائیس اپنی پیش قدمی کی ابتداء کی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے اپنے اسی زوال اور انحطاط کے زمانہ میں بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات حاصل کی تھیں۔ مثلاً اسلام کی تاریخ میں دو مواقع ایسے آئے جبکہ وحشی کفار نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کر دیا۔ اولاً سلبی ترکوں نے گیارہویں صدی اور ثانیاً تاتاریوں نے تیرہویں صدی میں مسلمانوں کو مفتوح کیا تو کیا ہوا؛ ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کر لیا جس کو انھوں نے مغلوب کیا تھا۔ مسلمان مبلغین نے اپنا مذہب وسطی افریقہ، چین اور جزائر ہند چین میں کیسے پھیلایا۔ عقل و نگ رہ جاتی ہے۔ حالانکہ ان کو وہاں کسی دنیوی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی، روئے زمین کے اس قدر وسیع حصے میں اسلام نے جو اشاعت پائی ہے اس کے کئی معاشرتی سیاسی اور مذہبی اسباب ہو سکتے ہیں۔ مگر سب سے قوی اور اور سب سے عظیم نشان اس کی کامیابی ہے کہ مسلمان مبلغین نے اس بارے میں انتھک کوششیں کیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے تھا۔ چنانچہ انھوں نے کفار اور منکرین کو دائرہ اسلام میں لانے کے لیے اپنی قوتوں کو بے دریغ صرف کیا۔ (پریچنگ اسلام) تاریخ اسلام کے ابواب ان حقیقتوں سے بھرے پڑے ہیں کہ ائمہ کرام، ادیبانے کرام، صالحین مجددین نے ہمیشہ بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کہا۔ اس جہاد میں انھوں نے بڑی بڑی صعوبتیں اٹھائیں۔ مگر ان کے پائے استقامت کو بغرض نہ آنے پائی۔

امام ابو حنیفہ حق گوئی و بے نیازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ قلامد عقود العیقان کا بیٹا ہے کہ آپ بارہ لاکھ نوے ہزار سے زائد مسائل کے مدون تھے۔ آپ کو بنی امیہ کے آخری حاکم عراق ابن ہبیب نے تازیانے لگوائے۔ علیقا یوحنا منصور نے آپ کو ساٹھ سال زندان میں ڈالے رکھا۔ حتیٰ کہ وہیں انتقال فرما گئے۔ امام ابن تیمیہ بڑے مجتہد فی الدین تھے۔ علوم قرآنیہ حدیث اور فقہ میں آفتاب نصف النہار تھے مگر سلطان وقت کے حکم سے آپ کی عمر کا بیشتر حصہ پابند زندان کیا گیا، آپ دو رکبوں جانتے ہیں۔ پاک و مہند کی تاریخ کے ادراک الٹ کر ملاحظہ کریں

جہاں حضرت ابوالحسن ہجویری، فرید الدین گنج شکر، قطب الدین نختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیا، خواجہ معین الدین چشتی، بہاؤ الدین زکریا، ابوعلی قلندر، مجدد الف ثانی جیسے عزم و ثبات کے گراں نظر آئیں گے۔ یہ لوگ علم و بصیرت، زہد و تقویٰ اور صدق و خلوص کے فقید المثال پیکر تھے۔ کون ہے؟ جو ان جیسی برگزیدہ ہستیوں کے اسمائے گرامی صفات تاریخ سے حذف کر سکتا ہے۔ جن کے پاس نہ فوج تھی نہ لشکر نہ آلات حرب جو جہاد بالسیف کرتے۔ یہ صرف آپ کے اصحاب کردار اور قرآن و سنت کی تبلیغ ہی تھی جس کی وجہ سے کروڑوں انسان اسلام کے دامن میں سما گئے۔ جنھوں نے دنیاوی دولت و ثروت، راحت و مسرت، اقتدار و اختیار حکومت و قیادت سب کو لات مار کر غربت و فلاکت، مصائب و آلام، مجبوری و محکوم کے ادوار میں استغنا و بے نیازی سے اللہ کی رضا کے لیے زبان سے جہاد کیے۔ قلم سے جہاد کیے اور تاریخ گواہ ہے کہ دین اسلام کی اشاعت محض ایسے پرامن طریقوں سے کی اور ایسے ایسے محرکات و اسباب پیدا کیے کہ لوگ جوق درجوق آپ حضرات کے اعلیٰ تخلیلات اور صحیح مقاصد کے پیروکار بن گئے۔ انہوں نے اس قدر محبت و مودت، شفقت و روحانیت سے رب العزت کی اطاعت و خوشنودی اور عقبیٰ کے عیش جاودانی کی طرف رغبت دلائی کہ جس کی وجہ سے گناہ و معصیت میں مبتلا کثیر السعدا و مشرکین اسلام کی جانب کھینچے چلے آئے۔

بیشتر مواقع ایسے بھی آئے کہ بعض علماء و صالحین کو شہنشاہی سطوتوں نے مجبور و مجبور بھی کیا۔ قید و بند کی زنجیریں، دارورسن کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں مگر روحانیت کی طاقت نے مادیت کے ایک ایک پھندے کو کاٹ کر پھینک دیا۔ حق کے سامنے باطل کا سر جھک گیا۔ اگر ان اکابرین کی حکمت اور دانائی بروقت آڑے نہ آتی تو کفر کی حربیہ نہ دماغی ہلاکتیں اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں سد راہ بن جائیں۔ ایسے ہی موقعوں پر علما نے بیابک کی شعلہ بیان تقریریں نے سوختہ خون مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی تمازت سے روح اسلام کو تروتازہ کر دیا اور غالب مادی طاقتیں بکھلا اٹھیں۔

یہ بات بالکل لغو ہے کہ لوگ کسی سیاسی یا اقتصادی اغراض کے لیے اپنا مذہب مارتے تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے تھے یا گردن زدنی کے خوف سے محفوظ رہنے کی خاطر ان کے لیے تبدیل مذہب ناگزیر ہو گیا تھا۔ نہ ہی ایسا امکانات میں سے ہے کہ لاکھوں کروڑوں افراد اپنے آبائی مذہب کے ترک کر کے دوسرے دین میں داخل ہو جائیں۔ یہ اجتماعی لیبیک فی الاسلام صرف اسی پر

افعال ہیں جو خلافت انسانیت و خلافت فطرت ہیں۔ جن سے استعزاز اور ان کا قلع قمع کرنے کی جدوجہد اللہ تعالیٰ کو انتہائی پسند ہے۔

جس طرح افراد پر اپنے نفس ہی کے نہیں بلکہ اپنے اپنا نئے نوع اور اپنے خدا کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ جنہیں ادا کرنا ان کا فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک قوم پر بھی اپنے خالق اور اپنی وسیع انسانی برادری کی طرف سے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں اور وہ ہرگز ایک شریعت قوم کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ان حقوق کو ادا کرنے میں اپنی جان و مال اور زبان و دل سے جہاد نہ کرے اپنی آزادی کو محفوظ رکھنا اپنے استقلال کی حمایت کرنا اپنے آپ کو شرارت کے تسلط سے بچانا یقیناً ایک قوم کا پہلا فرض ہے۔ لیکن صرف یہی نہیں جس کو ادا کر کے اسے مطمئن ہو جانا چاہیے بلکہ اس کا اصل فرض یہ ہے کہ وہ اپنی قوت سے تمام نوع بشری کو نجات دلانے کے لیے کوشش کرے۔ انسانیت کے راستہ سے تمام رکاوٹیں دور کرے اور جو اس کی اخلاقی و مادی اور روحانی ترقی میں حائل ہوں اور ظلم و طغیان، بدی و شرارت، فتنہ و فساد کے خلاف اس وقت تک برابر جنگ جاری رہے۔ جب تک یہ شیطانی قوتیں دنیا میں باقی ہیں (مودودی۔ جہاد فی الاسلام)

قرآن مجید میں ناحق قتل کرنے کا ذکر متعدد جگہوں پر وضاحت سے کیا گیا ہے۔ مثلاً انہی اولادوں کو تنگ دستی کی غرض سے قتل نہ کرو۔ روزی دینے والا تو اللہ ہے (بنی اسرائیل) بدکاری کو روکنے کے لیے مگر حد سے تجاوز کرنے پر قدغن لگا دی گئی ہے (الفرقان) مسلمانوں کو تنبیہ کر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو قتل نہ کرو بلکہ یہ فعل انتہائی مکروہ اور گھناؤنا بتایا گیا ہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہوگی (النساء) کچھ آیات میں قتل کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے بلکہ اسے کفر کی نشانی بتائی گئی ہے (المکویہ، العامر، النحل، المؤمن، النحل، ما ئدہ) کفار کو انبیاء کے قتل پر زبرد تو بیچ کی گئی ہے۔ (البقرہ، ما ئدہ، النساء) کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل کرنے پر نفرین کی گئی ہے (النساء، آل عمران) چنانچہ اس قسم کے قتال کو ناحق قرار دے کر اظہار نافر کیا گیا۔ بیعت کرتے وقت امت میں داخل ہونے والا دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی بیعت کرتا تھا کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرے گا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناحق قتل کرنے والوں پر لعنت کی (دائرہ معارف اسلامیہ) اسلام قبول کرنے کے بعد ایک آدمی کی جان و مال و دونوں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مسلمان کی جان اور اس کا مال ایسے ہی حرام ہیں

جیسے ذوالحجہ میں حدود و حرم کے اندر قربانی کا دن (المنجاری، کتاب الدیات) قیامت کے دن سب سے پہلے بے گناہوں کے قتل کے مقدمات پیش ہوں گے۔ اب ذرا سوچیے تو سہی جہاد اور قتل کا کیا تعلق ہے۔ یہ غلط خیال لوگوں کے اذہان میں بٹھایا گیا ہے کہ جہاد صرف قتل و غارتگری کا نام ہے۔ سوچیے تو سہی کہ یہ کہاں تک درست ہے۔ اسلام سے زیادہ کسی مذہب نے قتل پر نفرت نہیں کی۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ وہ کون سی وجوہات اور اسباب ہیں جہاں قتل کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے۔

درحقیقت حضور کے لیے خیر کثیر تو آپ کے مراتب قرب و درجات عالیہ کے لحاظ سے ظاہر ہی ہے مگر دنیا و عقبی کے تمام انعامات الہی و کثرتِ علوم۔ کثرتِ معارف، کثرتِ عنایت کثرتِ عبادات، حضور علی اللہ علیہ وسلم کا ہی حصہ ہیں مگر ان کے باوجود آپ کا کوئی تدم اللہ جل و علی کی جانب سے کسی وقت کسی لمحہ بھی بغیر رہبری و رہنمائی کے نہ اٹھتا تھا۔ آپ کو قرآن کے ذریعہ تبلیغ دین کی ہدایات ملتی تھیں جو کہ تبلیغ دین مبین کا ذریعہ بنیں۔ وَلَيَقُولَنَّ كَاهِنَةٌ فَإِذَا سَبَّحُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيِّنَاتٌ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُ لَكُمْ مِنَ الْغَيْبِ

ترجمہ۔ وہ تجھ سے کہتے ہیں کہ تم مطیع ہیں مگر حیب تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک اگر وہ جو کچھ کہتا ہے۔ اس کے خلاف رات کو منصوبے کاٹھٹھتا ہے۔ اور جو کچھ یہ لوگ راتوں کو منصوبے بناتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔

ملاحظہ فرمائیں یہاں باطل کو اپنا سپہیم و شریک بنانے پر نفرت کی گئی ہے۔ اپنے اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ اجتماعی نظام کی بنیادیں نہ خراب ہو جائیں۔ مزید سورۃ کافرون میں کفر و باطل کی قدروں کو صریحاً الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ترجمہ: آپ کہہ دیجیے۔ اے کافرو! نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرنے والے ہو۔ تمہیں تمہارے دین کا بدلہ ملے گا اور مجھے میرا بدلہ۔ (ماجدی)

یہ خطاب ان کافروں سے ہے جو کفر و ایمان کو جاہلیت و اسلام کے طریقوں کو بعض و عناد کے سیب ملانے جلانے کی تجویز کرتے تھے انتہائی منافقانہ اقدام زیر عمل لاتے تھے۔ یہ کوششیں

عرب اور اس دور کے عرب کے ساتھ بھی مخصوص نہ تھیں بلکہ بار بار یہ کوششیں کی جا چکی ہیں۔ اور اب بھی جاری دساری ہیں کہ کفر و اسلام، شرک و توحید کو غلط ملط کر کے اصل دین سے فرار کی صورت نکال ڈالیں۔ اسلامی سوشلزم کی ایکم ایک ایسی ہی افترا پر دانا اور ملمع ساز دہن کی تعمیر تھی۔ مگر قرآن میں صاف صاف فرمایا جاتا ہے کہ کہہ دو جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو تو تمہارا شمار اہل توحید میں نہیں ہو سکتا اور جب تک میں اپنے مسلک پر قائم ہوں شرک نہیں بن سکتا۔ کفر و اسلام کے درمیان کوئی نقطہ اشتراک نہیں ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ سورت کافروں میں اہل فساد سے تبری و مفاہت کی تصریح نکلتی ہے اور اسی کا دوسرا نام بغض فی اللہ ہے۔

اس امر میں کوئی گنجائش نہیں کہ اسلامی حکومت کا فرض اولین یہ ہے کہ شعائر اللہ کے اصولوں پر سختی سے قائم رہے۔ اپنے اجتماعی نظام میں دوسری پالیسیوں پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرے۔ جب کہ اسلام کو فطری یکتائی پسند ہے۔ جو لوگ اسلامی دستور حیات پر یقین نہیں رکھتے اور ان قوانین کے بارے میں استہزا کرتے ہیں۔ ان کو قرآن و سنت کی اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ سربراہ اور عمال حکومت پہلے خود اپنا محاسبہ کریں اور عوام الناس کو اسلامی شعائر کا عملی نمونہ بن کر دکھائیں اور دیکھنے والوں کے لیے سراپا اسلام کا جیتا جاگتا پیکر بن جائیں۔ مگر ایسا نہ ہو کہ ان کی گفتار و کردار میں تفاوت ہو اور غیرت و حمیت کا جو ہر ایمان سے عاری ہو۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ اَنَامُودُنَ النَّاسُ بِالْبِرِّ وَتَنَسَوْنَ اَنفُسَكُمْ وَاسْتَدْتَتَلُونَ اَنفُسَكُمْ فَلَا تَعْقِلُونَ۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے تئیں فراموش کیے دیتے ہو۔ اور تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے؟ (البقرہ ۲۴۱)

علامہ محمد انجری نے جہاد کی اصطلاحی انداز میں تشریح جو بیان کی ہے وہ مختصر ہے اور پر معنی بھی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ظلم کے وقت مدافعت کے لیے جہاد یعنی جب دوسرا آپ پر حملہ کرے تو دین اور اسلامی ریاست کے تحفظ کی خاطر تلوار استعمال کی جائے۔

۲۔ اگر دعوت اسلام میں کوئی اس طریقہ سے رکاوٹ پیدا کرے کہ جو شخص ایمان لائے اس کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر ابتلا و امتحان میں ڈالے تاکہ اس نے اپنے لیے جس عقیدہ کو پسند کیا اس سے ہٹ جائے یا جو شخص اسلام لانا چاہتا ہے اس کو اسلام لانے سے روک دیا جائے۔ یا کسی داعی اسلام کو تبلیغ دعوت سے باز

رکھے تو ان صورتوں میں اسلام کی ممانعت و حفاظت کے لیے تلوار سے جہاد ضروری ہے۔ (تاریخ فقہ اسلامی - دارالمصنفین)

قیام امن اور اصلاح معاشرہ میں ایسے لوگ جو حدود مملکت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔ جہاں دہشت گردی کے دستور اور قانونی راستے بند کر دئے جائیں اور خدا کے بندوں کو انسانوں کی غلامی میں جکڑ لیا جائے تو شر کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے منکر کے تسلط کو ٹوٹنے کے لیے قوت استعمال کی جائے۔ (اسلامی نظریہ حیات کراچی یونیورسٹی)

جہاد میں قتال کرنے کی فرضیت وضاحت سے بیان فرمائی گئی ہے۔ کِتَابُ عَلَبِكُمْ لِقَتَالِ دُشْمَانِكُمْ وَحَسْبُ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى اَنْ تَتَحَبَّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَانْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲۱۶-۲۱۷)

ترجمہ: مسلمانو! تم پر (خدا کے راستہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے۔ خواہ وہ تمہارے لیے بار خاطر ہی کیوں نہ ہو۔ ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاد باسیف (قتال) ان مکارم حیات اور امر و نہی کے استحکام کے لیے فرض کر دیا گیا۔ جہاں اشاعت کلام اللہ کے دیگر ذرائع ناکام ہو جائیں۔ تب اس میں چون درجہ کی گنجائش کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی کیونکہ جو اس کے فوائد کثیر اور اجران بے نظیر کے بارے میں علم انسانی بہت لاعلم ہے اور یہ حکامات قطعی ہو گئے کہ قیام امن اور اصلاح معاشرہ میں منجودہ تمام رکاوٹیں جو حدود اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے درپے آزار ہوں ان تمام کا صفایا کر دینا اتنا ہی ضروری ہے۔ چاہے قتال ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس میں دریغ کرنا قطعاً نادرست ہے۔ قتال کے متعلق جو پہلی آیت نازل ہوئی۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَلَّذِينَ يَبِغَاتُ لَكُمْ دِيَارَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا وَمَنْ يُقَاتِلْ (البقرہ: ۱۹۰-۱۹۱)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھ جاؤ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور ان کو مارو جہاں پاؤ۔ اور ان کو نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے کیونکہ فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔

امام ابن تیم کا فرمانا ہے۔ از روئے تحقیق ہر قسم کا جہاد فرض عین ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ انواع جہاد میں کسی نہ کسی نوع سے جہاد کرے۔ چاہے قلم و زبان سے چاہے مال و سنان سے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جہاد بالنفس (جان کے ساتھ جہاد کرنا) فرض کفایہ ہے۔ اور جہاد بالمال فرض کے متعلق دو قول ہیں کہ یہ فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی (زاد المعاد) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَعَالِمٍ لِّدِينِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (الحصف ۱۰-۱۱) ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی خبر دوں (جو) تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اور اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے! اگر تم جانتے ہو۔

ان آیات کریمہ سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص راہ خدا میں جنگ کرنے والوں کی تعریف و فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اللہ کی راہ میں جان اور مال صرف کرنے والوں کو عذاب سے نجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایسی تجارت کی ترغیب دی گئی ہے جس میں دولت و ملک گیری مقصود نہیں بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ الطاف غنایات کے لیے پناہ و مدد شامل ہیں۔

قرآن نے سب معاملات میں انتہائی صبر و تحمل و برداشت کی تعلیم دی ہے۔ مگر اس تحمل و برداشت کو پست بہمتی۔ حق سے اعراض و مصالحت پر محمول نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ مزج الفاظ میں دین اسلام میں خوبیاں پیدا کرنے کو اور مسلمانوں کو کسی دوسرے نظام حیات کو اپنے اوپر مسلط کرنے کی ممانعت کی ہے۔ مسلح جہاد، جہاد کی سب سے مشکل اور صبر آزمائش ہے۔ مگر جب کوئی صورت باقی نہ رہے تو مسلمانوں کو دین کی سرخروئی کے لیے اپنا مال اور جان تک خدا کی راہ میں صرف کر دینے کی ہدایت کی ہے۔ یہاں بھی پابندیاں ہیں کہ طاعتوں کے مقابلہ میں اپنی اسلامی قوت استعمال کرو مگر کسی انسان یا گروہ کو ہر یہ مسلمان بنانے کی کٹی و قطعی اجازت نہیں۔ جب کفار اسلامی ریاست کے باشندے بن کر اطاعت سے پھر جائیں یا کفار کے زیرِ نگیں مسلمان سب کو شتم کا نشانہ بن جائیں اور اللہ کی راہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی انتہاد کے طالب ہوں اور تم دیکھو کہ مسلمانوں کے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ اور وہ لوگ حرارت ایمان و غیرت ملی کے خلاف باطل کی ذلت و نامرادی کے گڑھے میں

دھکیلے جا رہے ہیں۔ اس وقت صبر و برداشت کو بالائے طاق رکھ کر راہِ صواب میں نکل آنے والوں کے لیے اجرِ عظیم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآنی آیات سے منظر ہے۔
ملاحظہ فرمائیے۔

وَأَنْ تَكُونُوا أَلَمِيَاءَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِهِمْ... فَقَاتِلُوا أَلَمِيَاءَ الْكُفْرِ (التوبة: ۱۲)

ترجمہ: اگر کفار اپنے عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے اور تمہارے دین پر طعن کریں تو ان کفر کے پیشواؤں کو قتل کرو۔ ایک اور موقع پر ان لوگوں کے خلاف جہاد (قتال) کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ کفار کے ملکوں میں مسلمانوں کے کمزور مردان کی عورتیں اور ان کے بچے موجود ہوں اور کفار ان کے متادینے کے درپے ہوں۔ مَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ..... دَا جَعَلْنَا مِنْكُمْ دَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (النساء: ۵)

ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) نہیں کرتے اور حالت یہ ہو گئی ہے کہ کمزور مرد، عورتیں، بچے ایسے ہیں جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس سببی سے نکال جس کے باشندوں نے ظلم کر رکھے ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی پیدا کر اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کسی کو مددگار بنا۔

فَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ الْإِنْفُسُ مَا لَا خِيَارَ فِيهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا

ترجمہ: پس اللہ کی راہ میں جنگ کیجیے۔ آپ کو صرف اپنی جان ہی کی تکلیف چکانی ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف آمادہ کیجیے۔ امید ہے کہ اللہ کافروں کے خوف کو روک دے گا۔

فَلَا تُطْعَمُوا الْكُفْرَانِ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان: ۵۲)

ترجمہ: آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے زبردست جنگ کریں۔ قرآن کے ساتھ جنگ کرنے کا مفہوم سوا شے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ منکرینِ اسلام کے سامنے قرآنی دلیلوں سے بات کرو۔ اور اگر باز نہ آئیں تو قرآنی ہدایتوں کی روشنی میں ان سے قتال کرو جب تک تمہیں کامیابی میسر نہ ہو۔ اس نقطہ کو عبدالمجدد دریا بادی نے اس طرح تفسیر کیا ہے کہ کافر تو چاہتے ہی ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق نہ پڑنے پائے اور آپ (مسلمان)

تبلیغ کے کام میں سست روی اختیار کر لیں۔ سو آپ ان کے کہنے پر نہ چلیں۔ آپ قرآن حکیم کے قائم کردہ دلائل حق کے ساتھ تبلیغ عام و نام جاری رکھیں۔ فقہانے کہا ہے کہ اعلان قرآن اور تبلیغ بالقرآن میں غایت سعی و جہاد واجب ہے۔

جنگ کی مصلحت کو خدائے عظیم و حکیم جو شمس و کسرا نفع و نقصان، موت و حیات کا مختار کل ہے سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نظام حیات و تعلیمات اسلام کے ذخائر و خزان کا متعدد جگہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معجزہ شکر و کفر اور گمراہ فتنہ و فجور میں پرورش پانے والے غلیظ منکرات سے جنگ کرنے کے لیے بغیر افراط و تفریط احکامات جاری کر دیے جن کی فراست و ذرّت نگاہی بایں ہمہ عقل و شعور انسانیت کے لیے دلیل حجت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ (المائدة: ۶۴)

”یہ لوگ جب کبھی جنگ و خونریزی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔ یہ لوگ زمین پر فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

یہی فتنہ و فساد، طمع و ہوس، منافقت و عداوت، تعصب و تنگ نظری جیسی منکرات کی ایسی غلیظ پیداوار ہے جس کو حق تعالیٰ اس حد تک ناپسند فرماتا ہے کہ اس کے خلاف جنگ و جدل کا حکم دیتا ہے۔ ابن ماجہ سے حدیث مروی ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمہیں لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں پر بھی دوسرے کا اثر ڈال دے گا اور تم پر بھی اس طرح لعنت کرے جیسے ان پر کی تھی۔ ایسے حکام اور سربراہان سلطنت جن کا مطمح نظر اتباع خواہش، نفس پرستی، غلم پروری کی سرپرستی ہو ان کی پریدی سے منع کیا گیا ہے۔ فتنہ ریزی کی اتانت اور استبدادیت کی استقامت کے خلاف پورے زور شور سے تبلیغ جہاد کی تلقین کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

لَا تَطِيعُوا أُمُورَ مُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ۔ (المشرعہ ۱۵۱، ۱۵۲) يَا ذَا لَوْلَىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ

خلیق شدہ زمین کے کسی حصہ پر بھی فتنہ و فساد گوارا نہیں۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی منظور نہ تھی۔ آپ نظام تمدن کو فساد سے بچانے کے لیے۔ ایٹانے دلع میں پاکیزگی اور معروف شعور کی تکمیل کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ آپ کی حیات طیبہ مردہ ہی سے پر ہے اور اس کی بازیابی کے لیے ہمیشہ جہاد کے لیے تیار رہتے تھے۔

جیسا کہ آپ سے ایک حدیث مروی ہے۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے۔ پھر قتل کیا جائے پھر مجھے زندہ کیا جائے اور فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثالی اس روزے دار کی سی ہے جو اللہ کے احکام پر عامل و قائم ہے۔ یہاں تک کہ مجاہد اللہ کے راستہ سے واپس آجائے جس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سے وفا کرے گا۔ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اسے اجر سمیت واپس کرے گا۔ (ابن قیم۔ زاد المعاد) اسی طرح ایک اور حدیث ہے جو شخص مہربان ہے اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ مگر جو اللہ کی راہ میں پیرو دیتے ہوئے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور قہر کے عذاب سے بری ہو جاتا ہے۔

امام احمد نے آپ سے حدیث مروی کی کہ اللہ کی راہ میں ایک رات جو پہرہ دیتا ہے۔ اس سے افضل ہے کہ وہ ایک ہزار رات قیام کرے اور ہزار ایام کے روزے رکھے (ترمذی السنہ) جنگ کے اصولوں میں بھی جو رحم و تانوں قدرت کے موافق ہے اسلام نے اس میں بھی فروگذاشت نہیں کی۔ عورتوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو اور جو لڑائی میں شریک نہ ہوں ان کو قتل کرنے کی ممانعت کی ہے۔ عین لڑائی میں اور صفِ جنگ میں جو مغلوب ہو جائیں ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ صلح کے معاہدہ دل کو اور امن کو ہر حالت میں قائم رکھنے کی رغبت دلائی ہے۔ باغوں، کھیتوں، مکانوں کو جلائے کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ قیدیوں کو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ نہایت ظالمانہ طریقے سے مثلاً کرنے اور دیتیں پہنچا کر قتل کرنے کو قطعاً معدوم کر دیا۔ الغرض صلاح اور فلاح۔ استقلال قوانین فطرت کی بقا کے لیے میدانِ کارزار میں بھی راہ صواب پر چلنے کی ہدایتیں موجود ہیں۔ اس سے زیادہ جنگ و جدل میں مصلحت یعنی رحم و عدل اور کیا ہو سکتا ہے۔ بروایت عبد اللہ ابن عباس حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث بیان فرمائی کہ آپ سپہ سالاروں کو روانہ کرتے وقت ان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور جو مسلمان ساتھ ہوں ان سے عہدہ برتاؤ کرنے کی تلقین

فرماتے تھے۔ نیز یہ فرماتے کہ اللہ کی راہ میں اللہ سے کفر کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرو۔ خیانت قطعاً نہ کرنا، غدارمی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، کسی عورت، بچہ یا بوڑھے کو جو جنگ میں شریک نہ ہو قتل ہرگز نہ کرنا، (کتاب الخروج)

اب یہ بات سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ جو قوتیں اپنے مادی اسباب و علل کے بل بوتے پر اللہ رب العزت کے نام لیواؤں کو ذلت و خواہی میں مبتلا کر ڈالیں اور مدعیان ایمان کو ایمان سوز اذیتوں سے معتوب کریں۔ ان کی زبردستی کے لیے اپنے تمام اسباب و علل اور تدبیروں کو مجتمع کر کے خداوند قدوس نے تلوار پکڑنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم دیا ہے۔ یہی لڑائی ہے جس کے لڑنے کی ترغیب و تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن نے فاشگاہ الفاظ میں اس لڑائی میں مقتولوں کو دائمی عزت و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی لڑائی ہے جس میں لڑنے والوں کی فضیلتوں کے قرائن اور احادیث میں بے شمار اذکار موجود ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کی لڑائی زیادتی اور نا انصافی پر مبنی ہے۔ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ ایسی لڑائی قانونِ قدرت کے منافی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس لڑائی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور نفع آخری کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ لڑائی مکارم اخلاق کی سر بلندی کے لیے نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ لڑائی خدا کے عز و جل کی مرضی کے خلاف ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس لڑائی کے معنی و محاسن مغلوب و مجبور مسلمانوں کی امداد اور ظلم و عدوان کے غیظ و نفرتوں کو مسخ کرنے کے علاوہ کچھ اور بھی نکل سکتے ہیں۔

تفسیر خازن مع التفسی

الترتیب والبیان عن تفصیل اسی القرآن، تفسیر روح البیان، احکام القرآن للخصاص، شرح شفاء الہدی فی معرفۃ الکلام العربی، اعلام الموقعین لابن قیم، منہاج السنۃ لابن تیمیہ، الحدادی للفتاویٰ، الخصائص الکبریٰ للسیوطی، مروج الذهب و معادن الجواہر (التاریخ الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر) کی تصحیح الرواة فی تخریج احادیث مشکوٰۃ علاوہ انہیں بے شمار عربی اردو کتب کا ذخیرہ۔ آپ اپنی کوئی کتاب بیچنا چاہیں تو یہیں یاد فرمائیں۔

عبد الرحمن عاجز۔ مالک رحمانیہ دار الکتب امین پور بازار فیصل آباد

میں قبرستان میں

عید الفطر کے روز نماز فجر کے بعد صبح سویرے میں قبرستان کی طرف گیا۔ اس قبرستان میں ایک نہیں میرے کسی عزیز ہر کتنے احباب منوں مٹی کے نیچے محو خواب ہیں۔ میں چل رہا تھا اور میرے ہاتھ کا ایک جنازہ بھی تھا۔ یہ نیکر کا جنازہ تھا جسے فکر کا نہ ہا دیے ہوئے تھا۔ یہ دل کا جنازہ تھا جو دل کے ہمراہ جا رہا تھا۔ یہ ایک ایسی حالت تھی جو کہ یہ کہناں تھی اور ایک ایسی کیفیت تھی جس پر آنسو بہاٹے جا رہے تھے۔

میرا معیول رہا ہے کہ میں جب بھی ان راہوں سے ہوتا ہوا اس جگہ آتا ہوں تو میرے ساتھ میری اشکبار آنکھیں ساون کی گھٹائیں لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ اور دل ہیجوم غم والہم کے جلوں یہاں فروکش ہوتا ہے۔ میں قبرستان اس لیے گیا تھا کہ اپنے عزیزوں، دوستوں سے ملاقات کروں، دنیا کے تفکرات سے الگ تھلگ ان کی صحبت میں کچھ لمحات گزاروں دنیا و آخرت اور حیات و ممات کے فلسفے پر کچھ ان سے تباہ و لاشخیاں کروں! اس شہرِ خاموشی کے باسیوں سے کچھ ان کے حالات معلوم کروں۔ آہ۔ وہاں وہ تو مجھے وہاں نہ ملے مگر ان کی لاشوں پر مٹی کے ڈھیر نظر آئے۔

یہ ڈھیر خاک کا اور اس میں لاش انسان کی

مقامِ فکر ہے کتنا مہیب منظر ہے (عاجز)

اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ قبرستان کے ان گڑھوں میں پڑے ہوئے یہاں آنے والوں سے اس طرح ہم کلام ہوا کہ ہم نے دنیا نے دوں کی جس چیز سے پیار کیا بوقتِ مرگ اسی نے ہم سے راہِ فرار اختیار کی۔ اور اس موقع پر کسی نے بھی ہم سے کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ ہمارے سینکڑوں و نادار، ہزاروں جاں نثار فرشتے اجل کے روبرو بے بس و لاچار تھے اور ہمارا کوئی بھی پیارا ہماری قبر میں ہمارے ساتھ داخل ہو کر ہمارا مولیٰ و غنچہ نہ ہوا۔

ہم کو احباب وہاں چھوڑ گئے ہیں کہ جہاں
اپنے سائے پہ بھی دشمن کا گماں ہوتا ہے (عاجز)
محبت کے بڑے بڑے دعویدار ہمیں لمحہ میں رکھ کر اس طرح ہم سے جدا ہوئے کہ آج
نک ان کی شکل نہیں دیکھی ہے

موت تک ساتھ بکس وہ ہیں ان کا عاجز زندگی میں جو ترے یار چلے آتے ہیں
کسی نے ہم سے پھر نہیں پوچھا کہ ہم کس حال میں ہیں۔ ہمارے سپہندگان میں سے
ہمارے عزیز ہماری کمائی ہوئی دولت سے خود مزے اٹھا رہے ہیں اور ہم سے یہ سلوک کہ
ہمارے ہی ترکہ سے ہمارے لیے کوئی صدقہ جاریہ بھی نہیں کیا اور ہمیں یہاں تک بھلا دیا
گیا کہ اب ہماری قبر پر آکر کوئی سلام و دعا کی رحمت بھی گوارا نہیں کرتا ہے

فقط تیرا لمحہ تک ساتھ دیں گے یہ دشمن دوست اپنے اوپر لائے (عاجز)
خاک کے ان ڈھیروں پر میری نظر جمی ہوئی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں انتک
ہاتھ کانپ رہے تھے اور پاؤں ڈمک رہے تھے۔ میں اسی حالت میں افتاں و خیراں ایک
شکستہ قبر کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ اس پر ایک لوح کندہ تھی جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا ہے
جگہ جی لگانے کی دنیسا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

میں یہ شعر پڑھ کر چونک گیا اور شاعر نے جس حقیقت کا جس انداز سے اظہار کیا ہے۔ کچھ
دیر کے لیے اس میں ڈوب گیا۔ اس موقع پر مجھے اپنے چند شعر یاد آئے جن میں سے تین شعر
درج ذیل ہیں۔

کمال فکر و دانش ہے زوال و غربت دنیا زوال فکر و دانش ہے کمال قربت دنیا
محبت کر دنیا سے کہ اس کو چھوڑ جانا ہے دولت کا دم حلت نال الفت دنیا
پہنچنا ہے تجھے منزل پر منزل دور ہے عاجز سنبھل اٹھ جاگ اے محو حال جنت دنیا

میری آنکھوں نے بار بار یہ دیکھا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اقارب و احباب کی قبور کی الواح
پر اس قسم کے نصیحت آمیز اشعار کندہ کرائے۔ ان کی اپنی دینی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی
باپ دادا کی چھوڑی ہوئی بلا محنت ہاتھ آتی ہوئی دولت بے دریغ راہ عیش و عشرت میں
صرف سو رہی ہے اور قبر و قیامت میں حساب و کتاب اور وہاں کے سوال و جواب سے یکسر

بے نیازانہ زندگی گزر رہی ہے۔ اور رقص و سرود اور جامِ مئے گلغامِ غذائے روح بنی ہوئی ہے۔

ہاتھ کچھ آیا نہ ان کو روسیا ہی کے سوا

جب کا محدود رقص و موسیقی دے خانہ رہا (عاجز)

قبروں پر اس قسم کے اشعار تحریر کرنا بھی ایک فیشن، ایک رسم اور کھیل بن کر رہ گیا ہے۔ جس طرح اہل خانہ سے میت کی تعزیت بھی ایک رواج کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ تعزیت کا اصل مقصد میت کے لواحقین کو صبر کی تلقین کرنا اور میت کی مغفرت کے لیے دعائے کلمات ادا کرنا اور اپنی موت یاد کرنا ہے لیکن یہ چیز مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے خلاف وہاں تین روزہ تمام دن اخبار بری، حقہ کشی۔ اور اوصار دھر کی کاروباری فضول باتیں اور ایک دوسرے کی غیبتیں ہوتی ہیں۔ یہ میت کی تعزیت ہے؟

اناللہ۔ ایسے عبرتناک مرتعد اور مقام پر بھی موت، قبر و قیامت کا نہ ذکر اور نہ فکر؟ فانی مال و مال کی حرص اور دنیا پرستی کسی وقت بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کیا مقصد زندگی یہی ہے؟ اسی لیے ہر موقع پر اس کا اتہام ضروری ہے؟ — یاد رہے حقیقت اس کے خلاف ہے۔ کامل لبر دیں عجیب فقرہ درج ہے۔

اَلْعَجَبُ تُعَزِّي الْأَمْوَاتُ الْأَمْوَاتُ إِلَى الْأَمْوَاتِ۔ "تعب ہے مردے مردوں کی تعزیت مردوں سے کر رہے ہیں" یعنی مردے کی تعزیت کرنے والے بھی مردے ہیں اس لیے کہ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آنے والا ہے اور میت کے جو رشتہ دار ہیں وہ بھی غمگین مرنے والے ہیں لہذا وہ بھی مردے ہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کوئی پہلے کوئی پیچھے۔ کچھ مرد قبروں کے اندر ہیں اور کچھ باہر۔ انہم سب کا باری باری یہی ہے۔

پھر میں ایک خوبصورت پختہ مگر زمین میں دھنسی ہوئی قبر کے پاس جا کھڑا ہوا اور سوچنے لگا کہ مرنے والے کے لواحقین نے کتنا دیر میرے مرنے کے کس ذوق و شوق اور محبت سے یہ قبر تعمیر کرائی۔ مگر آج یہ ٹوٹ پھوٹ کر زمین میں دھنسی پڑی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پرسان حال بھی کوئی زندہ نہیں رہا۔ یا پھر جو لوگ زندہ ہیں اب انھیں اس کا احساس بھی نہیں رہا۔ میت کے لیے صدقہ و فیرات اور دعا وغیرہ کا اتہام چند روز تک رہتا ہے۔ جب تک زخم تازہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد پس ماندگان اہل دنیا کے دستور کے مطابق اپنے اپنے ہندوؤں میں مشغول ہوتے ہیں۔

اور آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب ان کی اپنی باری آتی ہے۔

بتاؤں کس طرح ٹٹ گیا میں مری ذرا آنکھ لگ گئی تھی

ہو اوجو بیدار خواب سے میں اجل مرے سامنے کھڑی تھی (عاجز)

اور ملک الموت (فرشتہ اجل) اچانک سامنے آتا ہے اور اسے خدا کا پیغام دیتا ہے کہ دنیا سے تیرا آب و دانہ ختم ہو چکا ہے۔ اب عالم آخرت کے سفر اور میدان قیامت میں اس دنیا سے کیے ہوئے جملہ اعمال و افعال کی جواب دہی کے لیے تیار ہو جا۔ میں اس قبر کے پاس کھڑا ہوا ایک زمانے سے دوسرے زمانے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک دنیا سے دوسری دنیا کی طرف نگاہیں تھیں۔ یا دمانی نے قدیم خوشیوں کے انبار لگا دیے۔ تاکہ انھیں غموں کا سامان بنایا جاسکے۔ میں اس قبر کے قریب کھڑا ہوا موت و زلیست کے موضوع پر غور و فکر کر رہا تھا۔ ایک ایک میرے دل میں یہ

شعر نازل ہوا۔

زندگی بھر زندگی سے تیار یا راند رہا اور کیا ہے زندگی تو اس سے بے گار رہا (عاجز)
موت ہر آن انسان کے تعاقب میں ہے جیسے گرتی ہوئی دیوار کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ ایسے ہی انسان کو موت کے بارے میں معلوم نہیں کہ کب آے اگر دبوچ لے۔ تعجب ہے کہ لوگ یہاں لڑتے جھگڑتے ہیں یہ چیز میری ہے یہ تیری ہے لیکن جب موت آتی ہے تو سب کچھ یہیں دھارہ جاتا ہے اور مرنے والا کوئی چیز اپنے ہمراہ نہیں لے جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز سورۃ لکا ترکی تلاوت فرما رہے تھے اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَيَقُولَنَّ ابْنُ آدَمَ مَتَىٰ مَاتِي، وَهَلْ لَكَ يَا بَنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتُ فَأَخْنَيْتُ أَوْ كَسَيْتُ فَأَبْلَيْتُ أَوْ تَصَدَّقْتُ فَأَمْضَيْتُ (مسلم۔ نسائی)

”آدم کا بیٹا کہتا ہے۔ میرا مال میرا مال، تیرے مال میں سے تو تیرا وہی ہے جو تو نے کھا لیا اور ختم کر دیا۔ یا تو نے پہن لیا اور پھاڑ دیا۔ یا پھر (راہ خدا میں) صدقہ کر دیا (اور اسے) آگے بھیج دیا۔“

موت آکے ذرا پردہ انتخاب ام الٹھا دے

ہو جائے گی پھر تیری ہر اک پیخیر پر اٹی (عاجز)

آنے والا ہر دن زندگی کو کم رہا ہے اور موت کو قریب۔ فنکار جس شخص کی عمر بیس سال کی ہو

جاتی ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی زندگی میں سے بیس سال کم ہو گئے۔ — قبر ایک ایسا نشان ہے جو انسان کو اس کی سر کے بارے میں انتہا و انقطاع کی یاد دل رہا ہے اور وہ دنیا کے اس گھر کی نفی کر رہا ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُ نَيَّا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَ مَالٌ مِّنْ كَلَامِكَ لَهُ وَ لَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ (التروغیب ج ۴ ص ۱۷۱)

”وہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور یہ مال اس کا مال ہے جس کا بھر کوئی مال نہیں اور اس مال کو ذہنی جمع کرتا ہے جسے عقل نہیں ہے۔“

یعنی اس فانی دنیا کو اپنا مستقل اور دائمی گھر سمجھتے ہوئے وہی یہاں عیش و عشرت کی زندگی کا اہتمام کرتا ہے جس کے لیے پھر حقیقی آرام و رہ جنت کا گھر نہیں ہے اور دنیا کے مال و مال کو وہی جمع کرتا ہے اور اس سے وہی محبت کرتا ہے جسے پھر عقلی میں سوائے حسرت کے کچھ باتھ نہیں آئے گا۔ اور ایسی فاش غلطی وہی کرتا ہے جو عقل و شعور سے کوڑا ہے۔ — قبر صداقت اور راستبازی کا کلمہ ہے جو اپنے گرد و پیش کی کذب کرتا ہے۔ لوگ جب غرور و فخر، باطل پرستی کے سبب حقیقت کو بھول جاتے ہیں تو قبر ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو اس حقیقت کو یاد دلاتی رہتی ہے۔ جیسا کہ دلائل و فقرہ کائنات سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ اَبِي سَعْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَذُكُّوْهَا فَخَاتٌ فِیْہَا عِبْرَةٌ (التروغیب بحوالہ احمد ج ۴ ص ۱۷۱)

”حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے تمہیں (ابتداءً) قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا۔ لیکن اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کہ اس میں عبرت ہے۔“

وہ لوگ جنہیں عمر رفتہ کا احساس نہیں اور وہ دنیا کے رذائل و خصائص ہی سے اپنے دامن بھر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے پیٹ ہی کو شریعت سمجھ رکھا ہے اور اپنی قیمتی زندگی اسی کے تابع کر رکھی ہے اور ان کی روحانیت پر حیوانیت کا غلبہ ہے۔ قبر انھیں احساس دلاتی ہے کہ دیکھو! تمہاری اتنی عمر گزر گئی خواب و غفلت سے بیدار ہو کر مقصد حیات کو پہچانو، قبر کی زیارت گویا زندگی کی تذکرہ کا شعور پیدا کرتی ہے۔ قبر مانگ دہل اعلان کر رہی ہے۔ لوگو! جلدی کرو، جلدی کرو، وقت جا

رہا ہے۔ تیزی سے بھاگ رہا ہے۔ عمر رواں کے ان لمحات کو غنیمت جانو۔ ان لمحات میں آخرت کے لیے تیاری کرو۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ

خَطْبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَلَّوْا إِلَى اللَّهِ قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا دَبَّارُوا بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ أَنْ تُتَعَلَّقُوا بِصَلَاةِ الَّذِي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ بِكَتْرَةٍ ذِكْرِكُمْ لَهُ وَكَثْرَةِ الصَّدَقَةِ فِي الْمَسْرُوعِ لَعَلَّانِيَّتَهُ تُزَكِّيْكُمْ وَتَنْصُرُكُمْ (المتوغيب بعنایت ابن ماجہ ج ۴)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا۔ فرمایا۔ کراے لوگو! اللہ کی طرف توجہ کرو اس سے قبل کہ تمہیں موت آگھرے۔ اور اعمالِ صالحہ کے لیے دوڑو

جلدی کرو اس سے پہلے کہ تمہیں مصروفیت پیش آجائے۔ اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان اس کے کثرتِ ذکر کے ساتھ تعلق پیدا کرو۔ اور کھلے طور پر اور خفیہ صدقہ کے ساتھ (اس کی رضا حاصل کرو) تاکہ تمہیں اس کی عطا اور بخشش سے نوازا جائے اور تمہاری (مضائب میں) مدد کی جائے۔“

اس آخرت کی فکر کرو جہاں نہ یہ اوقاتِ حیات ہاتھ آئیں گے اور نہ تلافیٰ مانات کے لیے مہلت ملے گی۔ وہ جہان، وہ عالم آخرت دارالعمل نہیں بلکہ دارالجزا ہے۔ وہاں دو مقامات میں سے ہر شخص کے لیے ایک مقام ہوگا۔ جنت یا جہنم۔

قرار کیسے ہو دل کو جب اس کا علم نہیں

(عاجز)

کہ میرے واسطے جنت ہے یا جہنم ہے

اہل جنت سے جنت کی نعمتیں کبھی چھپتی نہیں جائیں گی اور نہ کبھی انھیں جنت سے نکالا

جائے گا۔ انھیں جنت کا وارث بنا دیا جائے گا۔

الَّذِينَ يَرْتَدُّونَ الْفُرُودَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (المومنون ۱۱)

”وہ لوگ فردوس بریں کے وارث بنا دیے جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغَوْنَ عَنْهَا حَوْلًا ۝ (الکہف ۱۰۸)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے

باغ ہوں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی کسی جگہ جانے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔“

ان کے مقابلہ میں اہل جہنم کا یہ حال ہوگا:

لَا يَخْفَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (البقرہ ۱۲۲)

”نہ تو ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی۔“
وَقَوْمًا النَّاسُ وَالْجِبَارَةُ عَلَيْهِمْ لِكُلِّ غَلَظٍ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (التقصیم ۶)

”اس جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اور اس پر تند خو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر ہیں) انھیں جو کچھ حکم دیا جاتا ہے فوراً بجالاتے ہیں۔ وہ اہل جہنم میں سے کسی پر ذرا بھی رحم و شفقت نہیں کرتے۔“

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے ہوئے بغیر تو بہ و اصلاح احوال جو فوت ہو گیا اور اس کی سزا میں جہنم واصل ہوا۔ ان کے بارے میں فرمان الہی ہے۔ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ (البقرہ ۶۷) اور وہ دوزخ میں سے کبھی بھی نہ نکلنے پائیں گے۔“
اہل جہنم سے جہنم کا عذاب کسی لمحہ کم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ہر آن اس میں شدت ہوتی جائے گی۔ اللھم احفظنا من الفتن والشدود۔

اس عمر کو غنیمت جانو! جو انسان جس حال میں بھی ہے اسے نعمت سمجھتا ہوا اس کی قدر کرے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ بھی نہیں رہے گا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اَعْتَبْنِمُ خَسًّا قَبْلَ خَيْسٍ شَبَابًا قَبْلَ هَرَمٍ وَصِحَّتًا قَبْلَ سَقَمٍ وَغِنًا قَبْلَ فَقْرٍ وَفَرَاغًا قَبْلَ شُغْلٍ وَحَيَاتًا قَبْلَ مَوْتٍ (التغییب ج ۲ ص ۲۵۱)

”پانچ (وقتوں) سے پہلے پانچ (وقتوں) کو غنیمت جانو! بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور بیماری سے پہلے تندرستی کو۔ اور فقری سے پہلے امیری کو۔ اور تنہا سے پہلے فراغت کو اور موت سے پہلے زندگی کو۔“

یعنی مذکورہ بالا حالات کے ظہور سے پہلے پہلے آخرت کے لیے اعمال صالحہ کے ساتھ تیاری کر لو کیسے ایسا نہ ہو کہ غفلت ہی میں یہ اوقات آپتھیں اور تم حسرت و ندامت سے ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔

۵ گوہر سے گراں ترین تری عمر کے لمحات

ہشیار کہ ہو بائیں نہ یہ نذر خرافات

کٹ جائے نہ غفلت ہی کے رفتے میں میلت

لب پر نہ ترے قبا ابل ہو کہیں سیہات

اگر ساری زندگی ہی اعمال صالحہ میں بسر کر دی جلتے۔ عمر کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں گزار دو تو حق یہ ہے کہ زندگی عطا کرنے والے حق تعالیٰ کا ہم ادنیٰ سے ادنیٰ حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔ موت کا جب وقت آجاتا ہے تو پھر انسان عمر دار کو بھی یوں محسوس کرتا ہے گریا وہ دنیا میں ایک دن سے بھی کم مدت رہا ہے۔

قبر سے نڈا رہی ہے کہ لوگو! اپنے عیوب کی اصلاح کر لو۔ اگر تم اپنے آقا کی نافرمانی پر اسی طرح مصر رہے تو یاد رکھو! آخر ایک دن تم نے میرے پاس آنا ہے۔ تم کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ میں تمہارا خوب خبر لوں گی اور تمہیں اس طرح پکڑ دوں گی کہ میری پکڑ سے تمہیں کوئی چھڑا نہیں سکے گا اور میرے اندر تمہیں ایسا سخت عذاب دیا جائے گا کہ اگر جن اور انسان دیکھ لیں تو وہ زندہ نہ رہ سکیں۔ اب تو تمہارے پاس وقت ہے۔ اسے غفلت میں ضائع نہ کرو۔ اگر تم اب اپنے عیوب کی اصلاح نہ کر سکتے تو یہ عیوب ہمیشہ تمہارے ساتھ ہی چھٹے رہیں گے۔ اور تم اسی حال میں قبر میں داخل ہو جاؤ گے۔ رہاں پھر سزا سے نہ بچ سکو گے۔ میں اس شکستہ قبر کے سر ہانے کھڑا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ قبر کے اندر لیٹا ہوا انسان مجھ سے یوں مخاطب ہے۔ میرے حال سے عبرت حاصل کرو۔ میرے واقعے سے نصیحت پکڑو۔ میں ایک کبیرہ آدمی تھا۔ میرے پاس کتنے کارخانے۔ کتنے بنگلے۔ سینکڑوں نوکر چاکر، ہر وقت ارد گرد خادموں کا ہجوم۔ بے شمار احباب۔ دنیا کی ہر نعمت موجود۔ ہر اقسام کے سامان عیش و عشرت کی بہتات۔ زندگی کا ہر لمحہ پر مسرت اور آنے والے ہر خطرہ سے لاپرواہ گرد رہا تھا کہ اسی غفلت و نشاط میں اچانک پتیم موت لے کر عزرائیل علیہ السلام آگئے۔ میں نام نزع میں تھا اور میری کوٹھیاں، میرے کارخانے، میرا مال و مال اعزہ و اقارب، دوست و احباب، نوکر چاکر اور متعدد حکیم و ڈاکٹر میرے ارد گرد بیٹھے ہوئے معروف تماشا تھے۔ میں حسرت بھری نگاہوں سے ہر چیز کی طرف دیکھ رہا تھا اور خیال کر رہا تھا کہ ان میں سے تو میرے کوئی چیز بھی اس وقت کام نہیں آئی اور کوئی چیز میرا ساتھ نہیں دے رہی، دنیا کی ہر چیز کا مجھ سے یوں دفعۃً منہ موڑنا اور ان سے جدائی کا غم مجھے نڈھال کر رہا تھا اور تہ و قیامت میں حساب زندگی کی نکر مجھے زندہ ہر اندام کر رہی تھی۔ دنیا سے جانے کا آخری اور سبقت آخرت کا پہلا دن تھا۔ راہ آخرت کے ہولناک مناظر، تھوڑے دیر کے واسطے سامنے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا

کہ یکٹن سفر کرنے تنہا ملے کرنا ہے۔ اب اس راہ میں تیرا کوئی ساتھی ہے نہ مددگار۔ اس قصور سے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا اور میں بری طرح ہنر ہنر رہا تھا۔ آخر وہی ہوا جو ہونا تھا، جو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مجھے جامِ اجل پلا دیا گیا اور روح جسم سے علیحدہ کر دی گئی۔ اہل خاندان اور احباب نے نہلا دھلا کر کفن پہنا کر اور ناز جنازہ ادا کر کے مجھے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا۔ اب میں یہاں کس حال میں ہوں، کسی کو خبر نہیں، نہ ہی کوئی میری خبر لو چھتا ہے۔ اب میں ہوں اور میرے اعمال، اس جگہ وہی میرے ساتھی ہیں اور میں۔

اتر کے قبر میں ہم پر یہ آتشکار ہوا
نشا طِ عیش جہاں خواب تھا فاسد تھا (عاجز)

قبرستان میں پھر تا پھرتا میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں میری نگاہوں کے سامنے ایک چھوٹی سی قبر تھی جو کہ یقیناً کسی ننھے بچے کی تھی، لیکن اس قدر صبح، اس درجہ مزین کہ میں کچھ دیر کے لیے درطہ حیرت و استعجاب میں غرق ہو گیا۔ اور میرا خیال ہے جو بھی اس طرف سے گزرتا ہے اس کے قدم یہاں ضرور رک جاتے ہیں اور وہ اس قبر کے منظر میں ضرور کچھ دیر کے لیے محو ہونے لگتا ہے۔ یہ قبر سنگ مرمر سے بھی اعلیٰ قسم کے پتھر سے تیار کی گئی ہے۔ اس کے ارد گرد تقریباً تین فٹ اونچی چار دیواری ہے اور چار ستونوں پر چھت ہے۔ ستونوں اور ستونوں پر چھت کے اندر کے حصے پر جس جانفشانی اور محنت سے معماروں نے اپنی صنعت گری اور فن کاری کے کمالات کا مظاہرہ کیا ہے وہ اہل نظر کے لیے دعوتِ نظارہ ہے۔ اس ننھے بچے کی قبر پر دل کھول کر بُریخِ دولت صرف کی گئی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی اہل ثروت کے تختِ جگر کی قبر ہے جو کہ اسے بہت پیارا ہوگا۔ ہر ماں باپ کو اپنا ہر بچہ پیارا ہوتا ہے لیکن اس بچے کا باپ دولت مند ہوگا۔ لہذا اس نے اپنے بچے کی وفات کے بعد اس کی قبر پر پانی کی طرح دولت بہا کر اپنی محبت اور اپنی دولت کی یوں نمائش کر دی۔ اس لیے یہ کوئی انوکھی اور تعجب انگیز بات تو نہیں ہونی چاہیے۔ قبر کے سر ہانے اونچی چھت تک نہایت خوبصورت منقش دیوار تھی اور اس میں سنگِ مرمر کی تختی جڑی ہوئی تھی جس پر یہ شعر تحریر تھا:

بھول تو دد دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پر ہے جو بن کھلے مر جھا گئے

بلے شک ناز و نعمت سے پالے ہوئے بچے کی وفات پر ماں باپ کو گہرا صدمہ ہوتا ہے۔ اور پھر

جن کا کچھ بھی ایکٹک ہوا اور وہ بھی آیام پیری میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہو، جس سے ہزاروں میں وابستہ ہوں وہ اچانک لقمہ اجل بن جائے۔ ایسے حادثے سے ماں باپ پر جو گزرتی ہے اس کا اندازہ بھی لگانا مشکل ہے۔ لیکن قضاء و قدر کے سامنے ہر انسان بے بس ہے۔ میرا دل اس بچے کی لوح قبر پر لکھے ہوئے اس شعر کے مفہوم میں منہمک تھا اور آنکھیں قبر کی ظاہری آرائش پر مرکوز تھیں۔ اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس قدر دولت مند آدمی اپنے تختِ جگر سے بے پناہ محبت کے باوجود اسے پیچھے موت سے نہ چھڑا سکا۔ اس کی دولت یہاں کچھ کلام نہ آئی۔ اور اس واقعہ کے بعد خود اس کا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔ ایک دن وہ بھی موت کا شکار ہوگا اور اس کو بھی قبر میں اتارا جائے گا اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس بچے کی یہ مرتع و مزین قبر منہدم ہو جائے گی اور اس کی مرمت کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا اور آخر پیوندِ زمین ہو کر اس کا نشان تک بھی نہ رہے گا۔

گزر گئے ہیں کچھ ایسے بھی ہمنشیں جن کا

کہیں مزار نہیں ہے کہیں نشان نہیں (عاجز)

دل انہی خیالات میں متغرق اور آنکھوں سے سیلابِ اشک رواں تھا۔ کچھ دیر کے بعد کھڑا ہوا میں وہاں سے آگے بڑھا۔ تو اب میرے سامنے ایک ایسا دلدادہ، اتنا ہونک، اس درجہ کرناک منظر تھا کہ اس کا نقشہ صفحہ قرطاس پر نہیں کھینچا جاسکتا۔ اس دردناک نظارے کی کیفیت نوکِ قلم سے تحریر نہیں کی جاسکتی۔ اس حشرناک نظارے کی داستان الفاظ کے سانچے میں نہیں ڈھالی جاسکتی۔ یہ پہلو بہ پہلو میرے پیارے والدین کی قبریں ہیں۔ ان دو مٹی کے ڈھیروں کے نیچے میرے پیارے والدین کی قبریں ہیں۔ ان دو مٹی کے ڈھیروں کے نیچے میرے ماں باپ محو استراحت ہیں۔ یہ میرے محترم میرے شفیق والد کی قبر ہے جو ایک علمِ دین اور حافظہِ دہشتے اور نہایت پرسوز لہجہ میں قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ نمازیں کلام اللہ پڑھتے ہوئے خود بھی رو دیا کرتے اور مقتدیوں کو بھی روایا کرتے۔ اور قبر و قیامت کے خوفناک حالات سنا کر ہمیشہ ہمیں ڈرایا کرتے۔ اور سفرِ آخرت کی تیاری کی تلقین اور دنیا سے فانی کی غیبت سے منع فرمایا کرتے۔ اور زندگی بھر حق گوئی ان کا شعار رہا۔ راہِ تبلیغ میں آمدہ مصائب سے کبھی نہیں گھبرائے۔

اہل حق ہمت و جرات سے گزر جاتے ہیں

مرحلہ آتے ہیں جب بادیہ پیمانی کا (عاجز)

اس سلسلے میں نہ کبھی کسی کی خوشامد کی اور نہ کبھی کسی سے مرعوب ہوئے۔ مرنے کا جھوٹا پسنا اور روکھا سوکھا کھانا یہ ان کا احتیاری عمل رہا۔ اسی حال میں دنیا سے چل بسے۔ ان کے پہلو ہی میں یہ والدہ محترمہ کی قبر ہے۔ والدہ صاحبہ اگرچہ پڑھی لکھی خاتون نہیں تھیں۔ مگر والد محترم کی صحبت اور نیکی کا ان پر بڑا گہرا اثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عبادت گزار تھیں۔ آخری عمر میں اکثر ساکت و صامت اور ذکر اللہ میں مشغول رہتی تھیں، زبانی یاد کی ہوئی قرآن مجید میں سے سورتیں اور دعائیں پڑھتی رہتیں۔ اول وقت نماز ادا کرنے کا اہتمام آخری وقت تک رہا۔ جس صبح کو دنیا سے آخرت کی جانب عازم سفر ہونا تھا صاحب معمول رات کو عشا کی نماز پڑھی اور دیر تک ذکر اللہ اور دعاؤں میں مشغول رہیں۔ پھر اہل خاندان سے باتوں میں کچھ دیر تک مصروف رہیں، اس کے بعد سو گئیں، حسب معمول صبح کی نماز کے لیے نہ اٹھیں تو میری ہمیشہ نے آواز دی، کوئی جواب نہ پا کر قریب آ کر شانہ بھایا تو اس پر بھی جب نہ کوئی حرکت نہ جنبش لب، معلوم ہوا رات کو کسی وقت پر دعا کر گئی۔ کچھ دیر تک تو میں والدین کی قبروں پر کھڑا ان کے لیے دعا کرتا رہا لیکن جوں جوں زندگی میں ان کی شفقت و محبت کے واقعات یاد آتے رہے اور اس کے مقابلے میں ان کی خدمت ان کی اطاعت کے بارے میں اپنی کوتاہی اور لاپرواہی سامنے آئی تو فطر غم سے میں نڈھال ہو کر ان کی قبروں کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اب قرآن کی یہ آیت میرے سامنے آئی جس میں والدین کی عظمت کا خالق کائنات نے خود ذکر فرمایا ہے اور وصیت فرمائی ہے کہ میری عبادت کے بعد والدین کی اطاعت اور ان کی خدمت تم پر فرض ہے۔ اور میری رضا ان کی رضا میں مضمر ہے۔

وَقَضَىٰ رَبِّيْكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلٰهًا اٰیًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِلْمُكَ اَلْاِکْبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلَاهُمَا فَلَا تَقْلُ لَّهُمَا اٰتٍ وَلَا تَنْهَرْهُمَا
وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا کَرِيْمًا ۝۱۰ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ
وَقُلْ لَّکُم بِرُحْمَتِ رَبِّیْنِیْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل ۲۳-۲۴)

اور تیرے پروردگار نے یہ حکم کیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تمھاری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے رد و روہوں تک نہ کرنا اور نہ کبھی انھیں جھڑکنا اور ان سے ہمیشہ نرمی سے بات کرنا اور ان کے لیے تواضع کے ساتھ

اپنے بازو جھکائے رکھا اور دعا کرتے رہتا کہ اے پروردگار! ان پر رحم کر جس طرح انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔
 اِنَّ اَشْكُرُّنِيْ دَوْلًا لِّدَيْكَ (لقمان ۱۴)
 ”میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا بھی۔“

جو والدین کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرے وہ بڑا بد بخت ہے۔
 عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
 دَعِمْنَا اَنْفَہُ دَعِمْنَا اَنْفَہُ دَعِمْنَا اَنْفَہُ فِیْکَ مَنْ یَّارَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ
 مَنْ اَدْرَاکَ وَالِدَیْہِ عِنْدَ الْکِبَرِ اَحَدٌ هُمَا اَوْ کُلَاہُمَا ثَوَّ کُوْ
 یَدْخُلُ الْجَنَّةَ۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک آلود ہوناک اس کی، خاک آلود ہوناک اس کی، خاک آلود ہوناک اس کی۔ پوچھا کیا کون ہے وہ اے اللہ کے رسول؟ فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو جو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرے۔

والدہ کی عزت و عظمت

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَّارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ بِعَمَلِ صَحَابَیْنِ
 قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ
 قَالَ الْوَلَدُ (بخاری و مسلم)

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے جن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ۔“

سائل کے جواب میں ماں کا حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اور باپ کا حق ایک دفعہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد پر ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے۔ یہ چیز واضح ہے کہ اولاد کی پرورش میں باپ کی نسبت ماں بہت زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے۔ اسی لیے باپ کی نسبت اولاد پر ماں کا حق بھی زیادہ ہے۔ ۵

قدموں میں تری مال کے ہیں جنت کی بہاریں
لائی تھیں خدمت میں کوئی مال سے زیادہ (عاجز)

جس کا اندازہ ثواب نہیں — اپنے مال باپ کی وہ خدمت ہے (بمطابق طور) والدین کے ساتھ حسن سلوک، احسان، مروت، ان کی اطاعت، ان کی خدمت، ان کے لیے دعاؤں کے بارے میں قرآن و احادیث میں جس التزام کے ساتھ تاکید اور وصیت آئی ہے۔ اس کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ اللہ اور رسول کے بعد سب سے زیادہ اولاد کے لیے دنیا میں ماں باپ ہی پُر خلوص محبت کرتے اور ان سے بے لوث شفقت کرتے ہیں۔ اپنی اولاد کو نعمتِ شاد اور مصوباتِ مسترد سے پالتے ہیں اور کبھی کبھی شکایت تو درکنہ رہا تھے پر بل نہیں آتا۔ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اولاد بھی اسی محبت۔ اسی جذبہ صادق اور ایثار و خلوص کے ساتھ ان کی خدمت۔ ان کی اطاعت، ان کی عزت کرے۔ اس آخری عمر میں نظامِ قدرت کے تحت ان کے محاسن اگر درست نہ رہیں۔ عقل میں کمی آجائے۔ اگر وہ بقا ضائع ہو کر کوئی بات۔ کوئی کام مردود تہذیب کے خلاف، تمھاری طبیعت کے برعکس کریں تو تمھارا فرض ہے کہ اپنا بچپن کا زمانہ یاد کرو جب کہ تم اس سے بھی زیادہ غلط حرکات کرتے تھے۔ اولاد ماں باپ ان سے درگزر ہی نہیں بلکہ تمھیں پیار و محبت سے سمجھاتے تھے تم بھی اس کا کچھ خیال نہ کرو اور ان سے محبت و اطاعت میں ذرا فرق نہ آنے دو۔

— میں والدین کی قبروں کے پاس بیٹھا ہوا اپنے بچپن کا زمانہ اور اس وقت کی ان کے حق میں گستاخیاں اور ان کی شفقت و محبت یاد کر رہا تھا اور مذکورہ بالا قرآن کریم کی آیات اور احادیث کا مفہم سامنے تھا۔ اپنی نالائقی، کوتاہی، غفلت پر آنسو بہا رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ یہ تیرے ماں باپ ہیں۔ جو تیرے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور تیرے لیے نہ معلوم انھوں نے کس قدر معائب اٹھائے اور تیری پرورش کی۔ آج یہ کس علم بے بسی میں اور کس حالت بے کسی میں شہر سے باہر انسان جنگل میں مٹی کے نیچے پڑے ہیں۔ ان کے اپنے اعمال کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اب یہ ہماری دعاؤں اور صدقات کے محتاج ہو گئے ہیں۔ آہ یہ کس قدر حسرتناک منظر ہے۔ میں نے کسی کتاب (غالباً حلیۃ الاولیاء یا کتاب الزہد للامام احمد بن حنبل) میں عمرو بن عبید بن فرقہ کا قصہ پڑھا تھا جو عالم پورا یاد نہیں اور نہ ہی مجھے الفاظ بالضرط محفوظ ہیں۔ تاہم جو الفاظ یاد ہیں وہ پیش خدمت کر رہا ہوں۔

كَانَ عَمْرُو بْنُ عَبْسَةَ بْنِ فَدَقْدٍ لِيُجِدَ لَيْلًا عَلَى قَرْيَةٍ فَيَقِفَ عَلَى الْقَبْرِ
وَيَقْرَأَ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ قَدْ طَوَّيْتُ الْمُصْحَفَ وَرَفَعْتُ الْأَعْمَالَ تَعْمِيكَ حَتَّى

حَقُّ يَصْبِحُ ثُمَّ لَيْسَ مَعَ الْمَيِّتِ أَهْلٌ فَيَأْتِي إِلَى الصَّلَاةِ -

عمر بن عبد بن فرقد رات کو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر (قبرستان شہر سے دور ہوگا) قبرستان آجاتے اور وہاں آکر لپکارتے۔ اے اہل قبور صحیفے (رجسٹر) لپیٹ دیے گئے اور تمہارے اعمال اور پرائیویسی گئے (اللہ کے پاس پہنچ گئے) یہ کہہ کر ناز آ روتے اور صبح تک اس طرح روتے رہتے، یہاں تک کہ نماز فجر کی اذان سننے تو پھر نماز کے لیے لوٹ آتے۔“

ان اہل تہذیب کے لیے اب اعمال کا وقت ختم ہو چکا اب تو اعمال کی سزا اور جزا کا وقت ہے، اور مرنے والے زندوں کی دعاؤں اور صدقات و خیرات کے محتاج ہیں، یا وہ خود کوئی خود صدقہ جاری کر گئے۔ مسجد، مدرسہ، سرائے، شفا خانہ بنوا گئے یا کنواں لگوا گئے۔ دینی کتب پڑھنے کے لیے کسی کو دے گئے یا اولاد کو علم دین پڑھا گئے۔ یہ اعمال ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کا ثواب ان کو ملتا رہے گا۔ اسی طرح کوئی بدبخت شخص خلاف شریعت اگر کوئی برا کام جاری کرے گا تو جب تک وہ جاری رہے گا۔ لگ لگ اس پر عمل کرتے رہیں گے۔ اس کا عذاب اس میت کو ہوتا رہے گا جس نے کہ وہ کالم اپنی زندگی میں جاری کیا — میں اپنے پیارے والدین کی قبروں پر مٹی کے ڈھیر اور ان کی بے بسی کے عالم کا منظر دیکھ رہا تھا۔ نہ میں کچھ ان سے اور نہ وہ مجھ سے کچھ کہہ سکتے نہ میں اپنا حال انھیں بتا سکا اور نہ وہ مجھے اپنا حال بتا سکے۔ مختصر مدت میں ہمارے خاندان کے بیسیوں افراد قلم اجل بن چکے ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کی تصویر امدان کے بعض حالات میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔ ان میں موت کے دو حادثے نہایت درد انگیز و کوب انگیز ہیں۔ (۱) میری عمیشہ کی صاحبزادی امہ الاکرام نے غیر شادی شدہ بچہ بیس سال چھوٹے کے پاس بیٹھی ہے۔ اچانک اس کے کپڑوں میں آگ لگ جاتی ہے۔ اسے شدید زخمی حالت میں ہسپتال لے جاتے ہیں۔ چند روز موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر وہ ہسپتال ہی میں اپنے عزیز دل کو داغ مفارقت دے جاتی ہے (۲) اس کے کچھ عرصہ بعد میرا بیٹا عطاء الرحمن بعمر ۲۰ سال چار سچا کا باپ اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں مقیم ہے۔ وہ کپڑے دھونے کی مشین میں پانی کی بجائے پٹرول ڈال کر اپنے کپڑے اس سے دھونے لگتا ہے۔ قریب ہی سٹوو جل رہا تھا پٹرول ان سے آگ پکڑ لیتا ہے۔ پٹرول کے شعلوں سے وہ مجلس جاتا ہے اور اسے ہسپتال لے جاتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح مکہ مکرمہ کے ہسپتال میں چند روز زیر علاج رہ کر بالآخر جانِ آفرین کے

حوالے کر دیتا ہے۔ دوسرے دونوں بھائی وہاں موجود اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرتے ہیں۔ اتفاق سے شب معراج کے سبب عبادت کے لیے مقامی اور باہر سے آئے ہوئے حرم شریف میں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع تھا چنانچہ اس کثیر انبوہ میں اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور جنت المعلیٰ میں دفن کر دیا گیا۔ اس موقع پر ہم اس کی نہ صورت ہی دیکھ سکے اور نہ نماز جنازہ میں شریک ہو سکے۔

(عاجز سے اُس کے دلے کا خطاب)

اے عاجز اس مختصر مصرع میں تیرے اپنے ہی خاندان میں اس کثرت سے اموات، کیا یہ سچے واقعات ہیں یا جھوٹے خواب؟ روزانہ بے شمار حادثات اموات تیرے جو کان سن رہے ہیں اور آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ اخبارات میں پڑھ رہا ہے۔ کیا یہ سب بے بنیاد افسانے ہیں یا ناقابل تردید حقائق کے خاکے؟ اب تک تو جن لوگوں کے جنازوں میں شریک ہوا وہ مردہ انسان تھے یا انسانِ ناکردی وغیرہ کے ڈھانچے؟ تو بتا کہ یہ مٹی کے ڈھیر جو تجھے نظر آ رہے ہیں ان میں انسان دفن ہیں یا نظر کا دھوکا ہے؟ میں اپنے دل کے ان سوالات کا کوئی جواب نہ دے سکتا اور ندامت سے لگا ہین بچی کر لیں۔ جس کے معنی ہیں تو نے جو کچھ کہا وہ سب سچ اور حق ہے۔

(دل نے پھر مجھ سے کہا)

اے عاجز آج ۲۸ اپریل ۱۹۸۰ء ہے اور تو نے اپنی عمر کے تربیسٹھویں (۶۳) سال میں قدم رکھ لیا ہے۔ اب ذرا گوشِ حقیقت نبوش سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیثِ پاک کو سن!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْذَرِ اللَّهَ إِلَى أَمْرِ أَحَدٍ أَحْبَلَهُ حَتَّى يَبْلُغَ سِتِينَ سَنَةً.

(الترغیب جلد ۴ من ۲۵۳ بحوالہ بخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ اس شخص کا کوئی عذر قبول نہیں کرے گا۔ جس کی موت کو یہاں تک موخر رکھا کہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔

یعنی ساٹھ سال کی عمر جسے عطا فرمائی گئی وہ اتنی لمبی عمر پا کر بھی گناہوں سے باز نہ آیا۔ اور آخرت کی نہ کبھی فکر کی نہ اس کے لیے تیاری۔ بلکہ اس قدر عمر دے گا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور غفلت

ہی میں کھودی۔ ایسا شخص اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کے سامنے کوئی عذر، کوئی حیلہ، کوئی بہانہ پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ میرے دل نے مجھ سے کہا۔ اے عاجز تیری عمر ساٹھ برس سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ تین چار سال سے ذیابیطس (شوگر) کا علاج مرض میں تجھے لگا ہوا ہے۔ جو کہ اندر ہی اندر تیرا کام تمام کر رہا ہے اور تودم بدم کزوف ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تیرے کریم آقا کی تجھ پر شفقت و مہربانی ہے کہ تجھے ایسی لا علاج بیماری میں مبتلا کر کے اور بتدریج ضعف اعصابی بدن کے ساتھ تجھے قرب موت کی اطلاع دے دی ہے اور عالم برزخ (قبر) میں پیش آنے والے معاملات کی فکر اور اس کی تیاری کی دعوت دے دی ہے۔ اب تو اگر ان حقائق سے چشم پوشی کرے تو تجھ سے زیادہ نادان اور ظالم کون ہوگا؟ یاد رکھ! اب تیرا ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے۔ یہ لمحہ حیات پچھلے گناہوں سے توبہ و استغفار اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں گزارنا کہ تلافی مانا ہو جائے۔ ثواب نیکی کا راستہ اختیار کر، اور نیکی کی تلقین بھی کر، اور خود برائی سے بچ اور لوگوں کو برائی سے بچا۔ تجھے کوئی اچھا تجربہ یا برا اس کی مطلق پروا نہ کر، لوگوں کا اچھا کہنے سے تیرا کچھ سنو رہا نہیں، اور ان کا تجھے برا کہنے سے تیرا کچھ بگڑتا نہیں۔ اپنا معاملہ خفیہ اللہ کے ساتھ درست رکھ۔ اگر تیرا مالک (اللہ تعالیٰ) تجھ سے راضی ہے تو تو کامیاب ہے خوش بخت ہے۔ اگر تیرا معاملہ تیرے آقا (اللہ تعالیٰ) سے ٹھیک نہیں وہ تجھ سے ناراض ہے تو تو بڑا مجرم، بڑا بد بخت ہے۔ تجھے کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملے گی۔ اور تیرا ٹھکانا دہمتی آگ یعنی جہنم ہے جو سوچ سمجھ لے۔ عمر تیری پوری ہو چکی ہے اور تو قبر کے کنارے کھڑا ہوا ہے اجل کا تند و تیز جھونکا آیا اور تو اس میں گرا۔ اگر پانچ دس سال زندگی کے اور تجھے مل بھی گئے تو یہ زندگی تیری ازل العمر یعنی کمی زندگی ہے جس سے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْدَلِ الْعُمْرِ۔ اے اللہ میں کمی زندگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ہاں لمبی عمر ہو اور اعمال صالحہ ہوں تو یہ خوش بختی ہے۔ ورنہ اگر عمر دانا ہو اور اعمال بد۔ تو یہ بد بختی کی علامت ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحْسِ النَّاسَ شَيْئًا؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُوْكَ وَحَسَّنَ عَمَلُكَ۔ قَالَ

نَايَ النَّاسِ مَشْتَرًا قَالَ - مَنْ طَالَ عُمُوكَ وَسَاءَ عَمَلُكَ -

(الترغیب ج ۴ ص ۲۵۴ بحوالہ الترمذی)

”حضرت البرکۃؒ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ لوگوں میں اچھا شخص کون ہے۔ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں، اس نے پھر عرض کیا کہ لوگوں میں برا آدمی کون ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جس کی عمر دراز ہو اور اس کے اعمال برے ہوں؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ساٹھ سال کے بعد اعضائے جسم کمزور ہو جاتے ہیں اور انسان کا ردِ با کے قابل نہیں رہتا اور آدمی قسم قسم کی لاعلاج بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بیوی بچوں پر بوجھ بن جاتا ہے۔ جب تک وہ کما کر انھیں کھلاتا رہا تب تک وہ اس سے محبت اور اس کی خدمت کرتے رہے اب جب کہ نہ کمانے کے قابل رہا اور نہ اس کی صحت درست رہی، بلکہ خود دوسروں کا محتاج ہو گیا۔ ایسی حالت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بیوی بچے اس کی موت مانگنے لگ جاتے ہیں تاکہ اس کی خدمت سے نجات حاصل ہو، لہذا اے عاجز میری نصیحت پر عمل کر، حقیقت میں تیرا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ تیری قبر میں تیرے عمل کے سوا تیرے ساتھ کوئی نہیں جائے گا۔ کیا تو نہیں دیکھ رہا۔ تیرے ماں باپ اور دوسرے تیرے عزیزوں کے ساتھ ان کی قبروں میں کوئی داخل ہوا؟ اپنی عمر کے ان آخری لمحات کی قدر کر۔ اور انھیں قبر و قیامت کی تیاری میں مدد کر۔ میرے دل کی یہ نصیحت واقعی نسخہء اکیرا ہے کم نہیں۔ چنانچہ میں سفر آخرت کی پہلی منزل قبر کے خوفناک منظر کے تصور اور اور اپنی بے عملی اور غفلت پر کانٹتا۔ لرزتا، تھر تھراتا والدین کی قبروں کے پاس بیٹھا ہوا وہاں سے اٹھا اور تمام اساتذہ اکابر کے ساتھ گھر پہنچا۔

چپکے چپکے روتے روتے کٹ جاتے ہیں شام و سحر
عرض کرے کیا عاجز اس کو کس غم نے بمبار کیا

ملکہ رحمانیہ لاہور کے سالانہ امتحانات

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد اسحاق اور مولانا حفیظ الرحمن لکھنوی فاضل مدینہ یونیورسٹی

لے رہے ہیں۔ نتائج کا اعلان مودعہ شعبان ۱۴۰۰ھ ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

ہائی بلڈ پریشر یا فشان الدم قوی

پاکستان طبی کانفرنس کا تحقیقی اجلاس مورخہ ۸۰/۲/۵۱ کو جہاں ننگا گریگ لاہور میں منعقد ہوا جس میں دو سائنسدان دو ڈاکٹر اور تین میکیوں نے ہائی بلڈ پریشر کے موضوع پر مقالے پڑھے۔ زیر نظر مقالہ اسی اجلاس میں ڈاکٹر ظہیر احمد ڈاکٹر کوشل بلیتھ اسلام آباد کی صدارت میں پڑھا گیا۔

(ادارہ)

صاحب صدر!

حضرات و خواتین!! السلام علیکم!

اسے ضغط الدم یا بلڈ پریشر بھی کہتے ہیں۔ اس مرض کے متعلق میرے ساتھی معالج روشنی ڈالیں گے۔ لہذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کی تفصیلات کو موضوع بحث بناؤں۔ نیز اس مرض سے آپ بخوبی واقف ہیں کیونکہ آپ میں سے اکثر بحیثیت معالج زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس لیے علامات، اسباب اور علاج کی تفصیلات بتانے کی ضرورت نہیں۔ مگر بطور تمہید یہ عرض کر دوں کہ اس مرض کے لیے موٹے موٹے اسباب تقریباً تین بنتے ہیں۔

۱۔ فسادِ خون یعنی خون کا غیر ہو جانا خصوصاً گاڑھا یا غلیظ۔

۲۔ تصلبِ شرائین یعنی شریانوں کا سخت ہونا۔

۳۔ تضییقِ شرائین۔

مذکورہ بالا اسباب کسی طرح پیدا ہو جائیں یہ تو مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کی مجلس میں ان اسباب کے پیش نظر دورِ حاضر کی مشہور دوا "اسرول" یا چھوٹی چندل کے بارے میں کچھ عرض کر دوں۔

سامعین کرام! اس دوا کو مختلف ممالک میں اور مختلف زبانوں میں کئی نام سے پکارا جاتا ہے

شمال کے طور پر اردو میں اسرول - ہندی میں چھوٹی چندی یہ دو نام زیادہ مشہور ہیں۔ چھوٹا چاندیا، چھوٹی چندر، چندروا۔ بنگالی میں چھوٹا چاندو، بڑا چاندو، چندرا، چندرا، تامل میں چون کو دتا۔ البیہ تلگو میں بٹا گندی، ہرٹی، پیرکائی - سنسکرت میں صرف گندا، ناگ منی، چندی گوڑ - انگریزی میں راڈ لوناسرینٹیا۔ لاطینی میں ارضی ایکس لین، سرینڈانیم - ڈیرا دون کے جنگلوں میں پانگل بوٹی اور مختلف ممالک میں جہاں یہ پیدا ہوتی ہے۔ مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔

تاریخ قدیم میں ۱۹۲۱ء تک طب کی کسی مفردات، مرکبات اور قرابادینی نسخوں میں یا معالجات کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملا۔ ۱۹۳۲ء تک طب جدید کی معالجات کی کتابوں اور فارمیسی کی کتابوں میں اس کے متعلق کوئی اشارہ تک نہیں۔

ذرائع دریافت

اس دوا تک ہماری رسائی دو مختلف ذرائع سے ہوتی ہے۔ یہ دوا جن علاقوں میں پیدا ہوتی ہے۔ مقامی لوگ اس کے افعال سے عمومی طور پر واقف تھے۔ ۱۹۲۷ء کے قریب صوبہ بہار ہندوستان کے مشہور پیر شری سید حسن اہم مرحوم کی اہلیہ شدید جنرل کی کیفیت میں مبتلا ہوئی۔ باوجود جدید و قدیم علاج مرض میں کمی کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ حالات مایوسی تک پہنچ چکے تھے۔ آخر ایک متقدمی سیاح کے مشورے سے اس دوائی کے استعمال سے مریض صحت یاب ہوئیں۔ اس واقعہ کا علم مرحوم ڈاکٹر حبیب الرحمن کو ہوا جنہوں نے اس کو مریضہ کے لواحقین کے توسط سے حاصل کیا اور اس کا تعارف خاندان شریفی دہلوی (اجمل خاں کا خاندان) میں کر دیا۔

محمد عمر عرفی جن کو سیاحت کا بے حد شوق تھا اور وہ مندروں، خانقاہوں میں جا کر تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ڈیرا دون کے علاقے میں شدید درد سر میں مبتلا ہوئے۔ ایک مقامی دوست نے ایک بوٹی میخ جڑوں اور تیل کے جہیا کی۔ اور گھوٹ کو استعمال کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے استعمال کے چند لمحوں بعد عربی نے درد شدید سے نجات حاصل کی اور بخار میں کمی ہوئی (درد سرد باؤن خون ہی کا نتیجہ تھا

۱۔ آپ عرصہ تک جامع اہل حدیث روپڑ میں حضرت العلام حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی کے پاس مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ بڑے زاہد اور غیرت مند واقع ہوئے تھے۔ کمیاب گری کا شوق تھا اس لیے بڑے بڑے حکماء اور اہل علم سے تعلق رکھتے تھے۔ (مدیر)

کیونکہ اس میں نبض سری اور عظیم بھی تھی اور چند ہی لمحوں بعد جہاں درد تھا اور مرض بے چین تھا میٹھی منہ سو گیا اور مرض سے نجات حاصل ہوئی۔

میرے والد مرحوم حکیم محمد اسماعیل صاحب جگرازی کے ان کے ساتھ دوستانہ اور صوفیانہ تعلقات تھے۔ اس واقعہ کا ذکر انھوں نے ۱۹۱۹ء میں کیا تھا۔ سیاحت اور تحقیق کے شوق میں ۱۹۱۹ء میں ایک سال تک یعنی سن ۱۹۲۰ء کے قریب محمد عمر نامی کے ہم سفر ہوئے۔ اسی دوران اس دوائی کے متعلق ذکر ہوا اور محمد عمر نامی نے اپنے میزبان ساتھی کے لیے اس دوائی کی دافر مقدار چھپا کر دی (دوباتی لوگ اس دوائی کو اس وقت صرف درد کی نجات دہندہ قرار دیتے تھے جس طرح اور بھی خود کو بوٹیلن مثلاً بھنگ، پوسٹ اور نشہ آور ادویات کو عام لوگ جانتے ہیں اس کے معجزاتی فوائد سے قطعاً ناواقف تھے۔ دیگر اعتبار سے اس کو بیکار مصص جانا جاتا تھا) والد مرحوم نے اس دوائی کو کئی اور امراض میں بطور تجربہ استعمال کیا۔ جس سے اس دوائی میں مزید کشش پیدا ہوتی گئی۔ ۱۹۲۵ء کے قریب شفاء الملک حکیم فقیر محمد شیخی نظامی (جگرازاں ٹاٹے) کے ایک سوال کے جواب میں والد مرحوم نے امراض کی بحث کے دوران اس دوائی کا ذکر کیا۔ شفاء الملک مرحوم کے سامنے اس کے تجربہ شدہ فوائد بغیر کسی کم و کاست کے بیان کیے۔ اور یہ بوٹی نمونہ کے طور پر انھیں دی۔ حکیم صاحب مرحوم بہت خوش ہوئے۔ حکیم صاحب مرحوم کے میرے والد اور دادا کے بہت ہی طبی خاندانی تعلقات تھے۔ اس کا ذکر حکیم صاحب نے خاندان دہلی سے بھی کیا۔ خاندان دہلی نے اس دوائی کو بطور تجربہ معجون میں استعمال کیا۔ اور شفا بخش ہونے کی وجہ سے اس کا نام ”دوا و الشفاء“ اور قرصوں کی شکل میں قرص شفاء تجویز کیا۔ تجربات کے مراحل طے کرتی ہوئی یہ دوائی کئی اور امراض میں جن کا کہ تعلق عصبی نظاموں سے ہے مفید ثابت ہوئی۔ مثلاً فشار دم قوی، صرغ، بے خوابی، اعتناق، جنون اور ذکاوت حس۔

جنون کی جلد اقسام مثلاً داء الکلب، قطرب میں اکسیر ثابت ہوئی۔

جناب یسح الملک حکیم محمد اچل خاں مرحوم و مغفور نے والدہا نہ شوق اور محبت فن کی وجہ سے ایسی ادویات کی تحقیق کے لیے طبیب کالج دہلی کے ساتھ ایک تحقیقی شعبہ بھی قائم کیا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں اس شعبے میں اس وقت کے نوجوان سائنسدان جناب سلیم الزمان صدیقی اور ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی نے باہمی تعاون سے بہت تحقیق و تجسس کے بعد ۱۹۳۱ء-۱۹۳۲ء تک ایک قلمی مرکب امروں سے نکالا اس کا نام حکیم صاحب مرحوم کی نسبت پر اجملین رکھا گیا۔ اسی

دوران اٹمی کے سن رسیدہ کیمیا دان آپسٹن نے راولین کے نام سے ایک جوہر علیحدہ کیا۔ اجملین اور راولین خاصیتوں میں یکساں ہیں۔

۱۹۵۲ء میں شیلیڈ جو کہ جرمن نژاد تھا نے اس دوائی پر سوئٹزرلینڈ میں اسی کام کو آگے دہرایا اور اجملین مرکب نکالا۔ یہ قلمی مرکبات ناکارہ ثابت ہوئے۔ ناامید ہو کر اس نے فضلہ پر جو کہ ناکارہ سمجھا گیا تھا اور کارآمد جزو جس کی تلاش تھی یعنی ریسپرین کی مانند معمولی مقدار میں حاصل کی۔ اور اس نے ۱۹۵۵ء میں ریسپرین

پھر ۱۹۵۶ء میں وودو لونو بل انعام یافتہ کیمیا دان نے اس کی مدد کی اور کام کو آگے بڑھایا دنیا کے مختلف ممالک میں اس پر اب بھی تجربات جاری و ساری ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کے مفید جوہر کو علیحدہ کیا جائے اور دوائی کی کم سے کم مقدار استعمال کرانی پڑے۔ جہاں تک ہماری رسائی ہے کیونکہ ہم لیبارٹری وغیرہ کی سہولتوں اور عملیات سے محروم ہیں اور ہمارا تجربہ اور تحقیق صرف مرئیوں تک ہی اور اس کے افعال و خواص پر ہی مبنی ہیں۔ نئی دوائی ہونے کی وجہ سے اس کے افعال و خواص، مزاج، مصلحات، بدقوات، مقدار، خوراک، بدل، وقت، دوا پر نیز کاتین تھا۔ کیونکہ قدیم ادویات کے ہمارے اطباء کو کام نے اپنی حاد جانہ تجربے سے اکثر و بیشتر ادویات کے تمام مراحل طے کیے ہیں۔ شاہد ہی کوئی بیڑی بوٹی رہ گئی ہو کہ جس کے افعال خواص سے علما نے تدبیر واقف نہ ہوں۔ ان کا یہ سارا تجربہ اور یہ تمام مراحل مرصوں اور مرصیوں پر ہی استعمال کر کے طے ہوئے تھے۔

حضرات و خواتین!

اب میں اس دوائی کے وہ تمام مراحل جو ایک دوائی کے لیے جزو لازم ہوتے ہیں عرض کروں گا۔

۱۔ افعال و خواص:

جنون، صرع، اعصابی امراض جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کے لیے مفید ہیں (خون کی رقیق شریازوں کو کشادہ رکھنے اور لچک پیدا کرنے میں اکیسر ہے۔ اسی وجہ سے فشار دم قوی کی دنیا میں اس سے بہتر دوائی ابھی تک ملنے نہیں آئی۔

۲۔ مزاج:

سرورتر۔ پہلے درجے میں سرد، دوسرے درجے میں تر۔

۳۔ مصلحات:

کڑا، اسک، مرج سیاہ، گلاب، زعفران، الائچی، خورد، صدف۔

۴۔ بدترقاتے:

عرق بادیان، عرق کلاب، عرق گاؤربان، عرق گذر، عرق مکو۔

۵۔ مقدار خوراک:

مختلف امراض میں عمر کے تناسب سے مختلف مثلاً جنون میں ایک ماشے سے لے کر دو ماشے تک اعصابی امراض میں ایک سے چار رتی تک۔ فشار دم قوی میں ایک رتی سے چھ رتی تک۔

۶۔ بدلے:

آج کل اس کا بدل باوجود کوشش کے حاصل نہیں ہو سکا۔

۷۔ وقتے دوا:

صبح و شام، رات۔

۸۔ پوہینے:

گھی، دودھ، مکھن، پھل، گوشت، روغنیاں وغیرہ۔

۹۔ خوراک:

سبزیات جملہ (دابل ہوئی)، دالیں۔ نوٹ: (شکار کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں)۔

مقام پیدائش

ہندوستان اور بنگلہ دیش، ملائیشیا، چائنا، پاکستان، نیپال، اٹلی، لٹکانیں بکثرت پیدا ہوتی ہے اور مقامی طور پر پیدائی جا سکتی ہے۔
حضرات و خواتین!

مختلف ممالک میں آب و ہوا اور موسمی اثرات کی وجہ سے مختلف اشکال میں اس کی جڑیں اور پودے ہوتے ہیں۔ بہترین دوائی ہندوستان کے علاقہ ڈیبرہ دون سے لے کر نین تال تک چار ہزار فٹ تک کی بلندی میں پیدا ہونے والی دوائی جو کہ اپنی عمر ۱۹ مہینے پوری کر چکی ہو بہترین اثرات کی حامل ہے۔ بنگلہ دیش میں پش گانگ کے پہاڑی علاقوں سے ملنے والی یہ دوائی سلہٹ کے علاقے سے بہتر ہے۔

پاکستان:

وادی کاغان میں پیدا ہونے والی دوائی بھی اپنے افعال و خواص میں کافی مفید ثابت ہوتی ہے۔

اگر ڈیرہ دون سے حاصل کردہ بیج سوات - ایبٹ آباد، اسلام آباد کے موسم میں کاشت کیا جائے تو بہترین فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ میں نے شوقیہ طور پر تجربہ کے لیے ڈیرہ دون کے بیج کو اپنے گھر میں کاشت کیا اور اس دوائی میں موثر نتائج حاصل کیے۔
طریقہ کاشت:

اسروں کے بیج تب کے شروع میں کاشت کے لیے گلوں میں لگانا چاہیے۔ جب پوسے بڑھنے لگیں تو ان کو زمین کو اچھی طرح نرم کر کے کیاریوں کی شکل میں لائنوں میں تبدیل کر دیں اور آلوں کی طرح پانی اس کی جڑوں تک پہنچے۔

موسم برسات اور بہار میں قلوں کے ذریعے بھی اس کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ موسم خزاں میں پھول اور پتے جھڑ جاتے ہیں جن کو اکٹھا کر لیں۔ یہ بہت کام کی چیز ہے۔ موسم بہار میں دوبارہ کونپلیں نکل آتی ہیں اور چھ ماہ تک پھول دیتے ہیں۔ اس کے پھول نہایت خوبصورت اور دلکش ہیں۔ سرکاری بنگلوں اور بڑے سرکاری اداروں میں خوبصورتی کے لیے لگایا جاتا ہے۔ مثلاً گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں بھی اس کی تین کیاریاں موجود ہیں مگر مالی اور مالک اس دوائی کے معجزاتی فوائد سے واقف نہیں (خوبصورتی اور تجربے کے طور پر میں نے اپنے گھروں میں اس کی کاشت کی)۔
استعمال:

ویسے تو یہ دوا اپنی افادیت میں ثاقب نہیں رکھتی اور اس کا ہر جزو فوائد سے بھرپور ہے مگر ابھی تک ہم نے اس کو جڑ سے ہی استعمال کرنا شروع کیا ہے، اور دنیا اس کے اسی حصے کے فوائد سے روشناس ہے۔ میں آپ کو اس کے دوسرے اجزاء کے فوائد سے آگاہ کروں گا۔
حتی الامکان میری یہ تمام کوششیں تجرباتی دنیا کی ہیں۔ کیونکہ علم طب جامد نہیں۔ تجربات کی دنیا وسیع ہے۔ آپ حضرات بھی اس مشکل اور تجربات کی دنیا میں کام کر رہے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس پر جاری و ساری رکھیں تاکہ اطباء کے سر سے عدم تحقیق کا جو الزام ہے ہم چلا آ رہے ختم ہو جائے۔ اطباء کا نام جب بھی کسی مجلس میں لیا جائے تو فوراً یہ الزام عائد ہو جاتا ہے کہ اطباء کرام میں تحقیق نہیں ہو رہی۔ حالانکہ اطباء قدیم نے لاکھوں ادویات پر تحقیق کی ہے اور جس کے اثرات آج بھی دہی ہیں جو پہلے تھے۔ آئیے ہم یہ عہد کریں کہ آئندہ سے ہم اسی الزام کو اپنے سر پر نہیں آنے دیں گے۔ اور اپنی تحقیقات سے اپنے ساتھیوں اور کارفرماؤں کو آگاہ کرتے رہیں گے۔

تجارتی نقطہ نظر سے

ہماریہ ڈرگ کمپنی ڈیرا دون نے ۱۹۴۶ء کے بعد اس کی جڑوں کو باریک پس کر اسمالین کے نام سے بلڈ پریشر اور تسکین کے لیے مع فوائد و نقص قرضوں کی شکل میں مارکیٹ میں پس کر اس کے ساتھ ساتھ مختلف دوا ساز اداروں نے دواؤں شفا قرض شفا اور قرض شفا کے نام سے منسوب کر کے شہرت دی۔

معالج حضرات اکثر آپ کا اس دوائی کے استعمال سے تعلق رہا ہے۔ آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جس طرح دیگر ادویات مضر اور مفید اثرات رکھتی ہیں اسی طرح اس دوا میں بھی مضر اور مفید اثرات دونوں موجود ہیں۔ مضر اثرات جن کی نشاندہی میں کر رہا ہوں۔

ناک کا بند ہونا، رعشہ، تھکے شدید بچوں میں بے ہوشی، آنکھوں میں سرخی، جھوک کا زیادہ بڑھ جانا وغیرہ۔

چونکہ یہ دوائی ایک نئی دریافت تھی اس لیے قدیم اطباء نے جس طرح قدیم دوائیوں کے مضر اثرات کو دور کرنے کے لیے مصلح دریافت کیے تھے یہ دوائی مصلحات سے ابھی تک محروم ہے چند سال بعد ہماریہ ڈرگ کمپنی نے اس دوا کو اور نام دے کر سرپاسل اور سرپینا سے پیش کیا۔ مگر ناموں کی تبدیلیوں سے خصلتیں تبدیل نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر پنجاب میں چراغ دین، علم دین معراج دین ان اشخاص کے نام ہوتے ہیں جن کو دین سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا (پنجاب میں چند تالیف مشہور ہیں۔ جیسے اکھوں آتی تے نام چراغ بی بی)

اسمالین کی طرح ان دواؤں اور ادویات میں وہی مضر اثرات موجود ہیں بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ ان کو قرضوں کی شکل میں لانے کے لیے جو اضافی مرکبات شامل کیے گئے ہیں۔ اس نے اس کے فائدہ کو کم کر دیا اور مضر اثرات میں اضافہ کیا۔ بے شک یہ دوائی ایک معجزاتی کیفیت رکھتی ہے۔ اس لیے اس کے مصلحات تلاش کرنے کا طریقہ کار تلاش کیا گیا۔

طریقہ کار۔ سادہ

اس دوائی کے تمام ممکنہ اقدام جو حاصل ہو سکتے تھے حاصل کیے۔ ان سب کے سفوف بنا کر مریضوں کو استعمال کروائے ان کے حالات و علامات کو زیر نظر رکھا۔ تقریباً تین سال کے عرصہ کی محنت کے بعد یہ تجربہ حاصل ہوا کہ کس خطے اور کس عمر کی دوائی زیادہ زود اثر ہے اور مضر کم اس کے بعد دوسرا کام مصلحات کی تلاش پھر اس کے ایک ایک مضر اثرات پر کام شروع کیا اور تقریباً

دس سال کی محنت شاقہ کے بعد اس قابل ہو سکا کہ چند ایک ادویات ملا کر ایک ایسا شافی مرکب تیار ہوا۔ اس مرکب کا جزو اعظم اسرول ہی ہے جو نہایت مفید اور کارآمد شافی مرکب کہا جاسکتا ہے۔ جس کے میں کسی زمانے میں خواب دیکھا کرتا تھا (زیادہ تر رہنمائی مولانا ابوالخیر مودودی مرحوم اور اپنے والد مرحوم حکیم محمد اسماعیل صاحب کے تجربے سے ہوئی) میں نے اس مرکب کو ہزاروں مریضوں پر لیکلڈ ڈرگھ کر استعمال کیا جس سے اس کی تصدیق ہوئی اور اب میں مطمئن ہوں۔

سامعین کرام:-

کامیابی کے مرحلے سے گزرنے کے لیے مجھے بہت سنی کامیوں اور مایوسیوں سے واسطہ پڑا اور رقم کثیر بھی خرچ کی۔ بس یہ سمجھ لیں کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے ایک جنونی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔ ایک جالینوس کے قول نے میری رہنمائی میں سنگ میل کا کام دیا۔

نبض کی بحث میں اس نے ذکر کیا ہے کہ میں نے نبض کو محسوس کرنے کے لیے ہاتھ کے دروازے پر ڈیرا لگایا اور ہر آنے جانے والے کی نبض دیکھتا اور سوکات و سکون سمجھتا یہاں تک کہ نبض دیکھ کر صاحب نبض کے خاندان تک کے حالات اور اسرار و رموز کا واقف ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایسی جنونی کیفیت نے اس دوا کے باقی اجزاء کے متعلق بھی راہیں کھول دیں جو مختصر طور پر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اس دوا کے پانچ اجزاء ہیں۔

- ۱۔ جڑ۔ جس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔
- ۲۔ شاخیں۔ جو شانڈے کے طور پر در درگدہ، در درارہ، اور در معدہ کے لیے اکیر ہے۔
- ۳۔ پتے۔ اس کا سفوف در شقیقہ، در عصابہ، صداع بیضہ کے لیے مفید ہے۔
- ۴۔ پھول۔ ام الصبیان اور قلبی امراض میں اکیر ہے۔
- ۵۔ بیج۔ تخم عقر کے لیے کارآمد ہے۔ اگر مزید تحقیق کی جائے تو بہت سی امراض کے لیے شافی ثابت ہوں گی۔

میرا تجربہ شاہد ہے کہ اس کے پھول تازہ یا خشک چار رتی ہفتے میں ایک دفعہ اگر تندرست آدمی استعمال کرے تو قلبی اور دماغی امراض سے محفوظ رہتا ہے۔ میں آپ حضرات کو ایک خاص مرضی علامات کی طرف توجہ مبذول کروا رہا ہوں۔ آپ حضرات کو نبض ذوالفقہ کا علم ہو گا اور اکثر حضرات جب یہ نبض محسوس کرتے ہیں تو مریض اور غلیب دونوں گھبرا جاتے ہیں۔ اس دوائی کے

پھولوں کی چاررتی خوراک صرف چند گھنٹوں میں نبض کو معمول پر لا کر طبیب اور مریض کو حیران کن اثرات سے نوازتی ہے۔ میں اس دعا کا تجربہ بہت مریضوں پر اپنی معالجاتی زندگی میں کر چکا ہوں۔
حضراتِ دعاتین!

ساتھ ساتھ یہ بھی گوش گزار کر دوں کہ یہ دوائی دماغی امراض کے لیے جتنی مفید ہے، قلبی امراض میں بھی خون کو تپلا کر کے باریک سے باریک رگوں میں نفوذ کرانے کی وجہ سے انسان کو قلبی امراض سے نجات دلاتی ہے۔

سامعینِ کلام! فشارِ روم قوی جدید مرض نہیں بلکہ قدیم ہے۔ قدیم اطباء اس سے واقف تھے۔ قدیم اطباء نے اس کو اکثر امراض میں علاماتی طور پر بیان کیا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ علمِ طب تجرباتی دینا ہے۔ جوں تجربات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ علم وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا۔ زمانہ حال میں دماغی کوفتوں کی وجہ سے قلبی اور دماغی امراض و باکے طور پر پھیل رہی ہیں۔ ہم ان کے علاج سے قلبی اور ذہنی سکون حاصل کر کے ہی عہدِ آبرو ہو سکتے ہیں۔
روحانی علاج :-

یہ مرض عام پیدا ہو رہی ہے۔ اور اس کے تشخیصی ذرائع شینی دنیا ہونے کی وجہ سے آسان ہو گئے ہیں اس کا اتنا ہی علاج بھی اطباء اور معالج کی کوششوں کی وجہ سے آسان ہو گیا، حضراتِ طبِ مشرقی فشارِ روم قوی کا موثر علاج ہتھیں کرتی ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بحث کر چکا ہوں۔ اب تو اطباء کے علاوہ ہمارے اور غیر ملکی ڈاکٹر صاحبان نے جس تیزی سے اسے قبول کیا ہے اور اپنے مریضوں پر استعمال کیا ہے وہ بھی ایسی دوائی کی افادیت کا ایک بین ثبوت ہے جس کا میرے پاس ریکارڈ موجود ہے۔

آخر میں، میں آپ کی خدمت میں اس پورے کی مختلف اقسام جو میں حاصل کر سکا ہوں پیشِ خدمت کر رہا ہوں۔ امید ہے میری حقیر کوشش سے آپ کچھ مفید معلومات اپنے اندر جذب کریں گے اور میری اس محنت کو قبولیت بخشیں گے۔ اگر خدا نے موقع دیا تو آئندہ برس کی ادویات پر ایک تحقیقی مشنوں میں شریک رہوں گا۔

میں جناب صاحب۔ مدد و محترم سامعین کا شکریہ ادا رہوں کہ انھوں نے اس خشک مضمون کو نہایت دل جمعی سے سنا۔ شکریہ! خدا حافظ! طبِ مشرقی زندہ باد
سچائی پر تین دفعہ دود شریف پٹھ کر دوں میں تین بار پینیا تجربہ روحانی علاج ہے۔

بزم رسالت کی چھ شمسیں

حضرت اردوئی بنت عبد المطلبؑ

حضرت اردوئیؑ کے حسب نسب کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھر بھی تھیں۔ ان کے قبولِ اسلام پر علامہ ابن سعدؒ، ابنِ قیمؒ اور دوسرے بہت سے اہلِ بیرو کا اتفاق ہے۔

حضرت اردوئیؑ کا نکاح عمیر بن وہب (بن عبد بن قصی) سے ہوا۔ ان کے صلب سے طلیبؑ پیدا ہوئے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو جن پاک نفوس نے اس دعوت کے قبول کرنے میں نتائجِ دعاقب سے بے پروا ہو کر اولیت کا شرف حاصل کیا، حضرت طلیبؑ بھی ان میں شامل تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانے میں حضرت ام بن ابی الارقم کے گھر میں فروکش ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے حضرت طلیبؑ دارِ ارقم سے مسلمان ہو کر گھر آئے اور والدہ سے کہا: اماں جان میں اپنے (ماموں زاد) بھائی محمدؐ پر سچے دل سے ایمان لے آیا ہوں وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔

حضرت اردوئیؑ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن بڑے اخلاص اور دردمندی کے ساتھ اپنے فرزند سے کہا: بیٹے تمھارا بھائی آج مخالفوں کے طوفان میں گھرا ہوا ہے بکس اور مظلوم ہے اور واقعی تمھاری امداد کا مستحق ہے، اسے کاش مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کی چیرہ دستیوں سے بچاتی۔

طلیبؑ نے کہا: اماں تو پھر آپ بھی اسلام کیوں نہیں قبول کر لیتیں؟

حضرت اردوئیؑ نے کہا: مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے۔

حضرت طلیبؑ نے کہا: اماں اب انتظار کا وقت نہیں، خدا کے لیے میرے ساتھ بھائی کے پاس چلیں اور دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو جائیں۔

حضرت اردوئیؒ فرید غدر نہ کر سکیں۔ اسی وقت اپنے سعادتمند بیٹے کے ساتھ حضرت ارقمؓ کے گھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور سعادت اندوز اسلام ہو گئیں۔ یہ واقعہ سلسلہ بعد بعثت کی دوسری ششماہی کا ہے۔ بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت طلیبؓ اور حضرت اردوئیؒ حضرت حمزہؓ کے بعد ایمان لائے اور حضرت طلیبؓ نے ماں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کا حوالہ بھی دیا۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت حمزہؓ ہجرت حبشہ ثانیہ کے بعد سلسلہ بعد بعثت کے دوران میں مسلمان ہوئے اس وقت حضرت طلیبؓ ہجرت کر کے حبش جا چکے تھے۔

حضرت اردوئیؒ اور حضرت طلیبؓ قبول اسلام سے پہلے بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروندیش تھے۔ حضرت اردوئیؒ اپنے فرزند کو ہمیشہ حضورؐ کی مدد کرنے کی ترغیب دیتی رہتی تھیں۔ وہ ویسے ہی حضورؐ کے جان نثار تھے، ماں کی تائید سے ان کا حوصلہ اور بھی بلند ہو گیا تھا۔ اور وہ ہر وقت حضورؐ کی حفاظت اور اعانت پر کمر بستہ رہتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عوف بن صبرہؓ سہمی نے حضرت طلیبؓ کے سامنے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ کہے۔ حضرت طلیبؓ جوش غضب سے بے قرار ہو گئے اور اس کو ادنٹ کے کٹے کی ہڈی مار کر لہو لہان کر دیا۔ عوف نے حضرت اردوئیؒ سے شکایت کی تو انھوں نے بے ساختہ کہا۔

ان طلیباً بنصر ابن خالہ واسالہ فی دمہ ومالہ

طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غزرائی کی

حضرت اردوئیؒ کا بھائی ابولہبؓ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ ایک دفعہ اس نے چند مسلمانوں کو قبولِ حق کے جرم میں قید کیا تو حضرت طلیبؓ کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے اپنے ماموں کو خوب پیٹا۔ اپنے سرِ غنہ کو پٹتے دیکھ کر بہت سے مشرکین حضرت طلیبؓ کو لپٹ گئے اور ابولہبؓ کو چھڑا کر طلیبؓ کو باندھ دیا۔ چونکہ بڑے معزز خاندان کے فرد تھے اس لیے کچھ دیر بعد چھوڑ دیا۔ ابولہبؓ نے ان کے خلاف اپنی بہن سے شکایت کی۔ حضرت اردوئیؒ نے جواب دیا۔ ”طلیبؓ کی زندگی کا بہترین وقت وہی ہے جب وہ محمدؐ کی مدد کرے۔“

ایک دفعہ حضرت طلیبؓ کو معلوم ہوا کہ ابولہبؓ بن عزیر دارمی نے حضورؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ انھوں نے چپکے سے جا کر اس کا سرِ فکم کر ڈالا۔ حضرت اردوئیؒ کو معلوم

ہوا تو انھوں نے اظہارِ خوشنودی کیا۔

۳۔ بعدِ بعثت کے آغاز میں حضرت طلحہؓ حضورؐ کے ایما پر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے، وہاں سات سال قیام کرنے کے بعد حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آئے۔ حضرت اردوئیؓ نے اپنے سعادت، مندرجہ سے جدائی کا یہ طویل زمانہ بڑے صبر و استقلال کے ساتھ گزارا۔

حضرت اردوئیؓ کا سال وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں لیکن ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضورؐ کی وفات تک حیات تھیں اور حضورؐ کے وصال پر انھوں نے چند درد انگیز اشعار بھی کہے تھے لیکن اس روایت کی ثقاہت کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت اردوئیؓ شعر و شاعری میں اچھا خاصہ درک رکھتی تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت اُمّ عبد

جلیل القدر صحابی فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی والدہ تھیں۔ مسعود بن غافل ہندی سے نکاح ہوا۔ انہی کے صلب سے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اکثر ابنِ اُمّ عبد کہہ کر بلاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وقتاً فوقتاً اپنی والدہ کو حرمِ نبویؐ میں بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ حضورؐ کی خانگی زندگی کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں۔ حضرت اُمّ عبد کے مزید حالات نہیں ملتے۔

حضرت زینب بنت ابی معاویہ

زینب نام تھا اور راطہ لقب یا عرف۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو ثقیف سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔

زینب بنت ابی سعادہ عبداللہ بن معاویہ بن غناب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم بن ثقیف۔

فقہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ تھیں۔ حضرت عبداللہ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا اور وہ بہت تنگدست تھے۔ حضرت زینب دستکار تھیں جو کچھ کماتی تھیں اپنے شوہر اور ان کی اولاد پر صرف کر دیتی تھیں۔ اس طرح دوسرے حاجت مندوں اور مسکینوں کو صدقہ دینے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کا ثواب سن کر ان کے دل میں رہ رہ کر یہ تمنا ہوتی تھی کہ کاش میرے پاس بھی خیرات کے لیے کچھ رقم بچ جاتی۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا: میں جو کچھ دستکاری کے ذریعے کماتی ہوں اس سے آپ کی اور آپ کی اولاد کی کفالت کرتی ہوں اس طرح صدقہ خیرات کے ثواب سے محروم رہ جاتی ہوں، آپ ہی بتائیں اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: جس کام میں تمہارا فائدہ ہو وہ کرو۔ میں تم کو آخرت کے اجر سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت زینب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

”یا رسول اللہ میرے مال باپ آپ پر قربان میں ایک دستکار عورت ہوں جو کچھ کماتی ہوں شوہر اور اولاد پر خرچ کر دیتی ہوں کیونکہ میرے خاوند کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے اس طرح مساکین کو صدقہ نہیں دے سکتی۔ ایسی صورت میں مجھے کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟“

حضور نے فرمایا: ”ہاں تم کو ان کی کفالت کرنی چاہیے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی۔ حضرت زینب نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ آپ بہت تنگدست ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں آپ ہی پر کروں۔

حضرت عبداللہ نے فرمایا: تم ہی جاؤ۔

حضرت زینب حضور کے آستان مبارک پر حاضر ہوئیں تو دروازے پر انصار کی ایک خاتون کو کھڑے پایا، وہ بھی حضور سے یہی مسئلہ پوچھنے آئی تھیں۔ اتنے میں اندر سے

حضرت بلالؓ اُسے، دونوں بیبیوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیجیے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر دل اور ان کے زیرِ کفالت یتیموں پر صدقہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

حضرت بلالؓ نے حضورؐ کی خدمت میں ان کا سوال پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا ”وہ دونوں کون ہیں؟“

انھوں نے عرض کیا۔ ”ایک عورت انصار کی ہے اور دوسری زینب“

حضورؐ نے پوچھا۔ ”کون سی زینب؟“

عرض کیا۔ ”عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ“

آپؐ نے فرمایا۔ ”ان کو دوسرا ثواب ملے گا ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا“

حضرت عبداللہ بن مسعود جب گھر تشریف لاتے تو باہر ہی سے کھنکارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ اہل خانہ کو ان کے آنے کی خبر ہو جائے۔ مندا بوداؤد میں حضرت زینبؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کھنکارتے ہوئے اندر آئے اس وقت ایک بوڑھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی۔ میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ میرے قریب بیٹھ گئے اور میری گردن کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ دھاگا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ دھاگا مجھ کو دم کر کے دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی انھوں نے یہ دھاگا میری گردن سے توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا، تم عبداللہؓ کا خاندان ہو، تم شرک سے بے نیاز ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھار ٹھونک، تعویذ گنڈے اور اعمالِ حُب شرک ہیں۔ میں نے کہا کہ میری آنکھ میں چھینٹ محسوس ہوتی تھی چنانچہ فلاں یہودی کے پاس دم کرانے کے لیے جایا کرتی تھی اس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہو جاتا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بولے کہ یہ شیطانی عمل ہے، وہی اپنے ہاتھ سے چھین پیدا کرتا تھا اور جب دم کر دیا جاتا تو وہ ہاتھ روک لیتا۔ لہذا تمھارے لیے اس طرح کہنا کافی تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

أَذْهَبِ الْبَاسُ دَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ امْتَنِّ لِي لَا شِفَاءَ إِلَّا بِشَفَائِكَ
لَشَفَائِكَ لَا يَفْسَادُ شَفَاءُ۔

(اے پروردگار کائنات، تکلیف کو دور فرما دے اور تیری شفا ہی اصل شفا ہے)

شفا عطا فرما کیونکہ تو ہی شفا بخشے والا ہے۔ ایسی شفا عطا کر کہ جس کے بعد کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہے)

یروایت ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے بھی نقل کی ہے اور امام ذہبی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے لیکن بعض علما نے اس کی تاویل کی ہے اور کچھ دوسری روایتوں کے پیش نظر اس قسم کی جھاڑ پھونک اور تعویذ کو جائز قرار دیا ہے۔ جس میں شرکیہ کلمات استعمال نہ کیے جائیں۔

سنا احمد حنبل میں ہے کہ حضرت زینب بنت ابی معاویہ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت اور عقیدت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتی رہتی تھیں۔ حضور بھی ان پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے اور کبھی کبھی ان کو اپنا سر مبارک دیکھنے کی اجازت دے دیتے تھے۔ ایک دن حضور کے سر مبارک کی جوئیں دیکھ رہی تھیں۔ مہاجرین کی کچھ اور خواتین بھی بارگاہِ نبوت میں حاضر تھیں کسی مسئلے پر بحث چھڑ گئی۔ حضرت زینب اپنا کام چھوڑ کر بولنے لگیں۔ حضور نے فرمایا، تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو، کام بھی کرو اور باتیں بھی۔

حضرت زینب کا سال وفات اور مزید حالات معلوم نہیں۔ مشہور محدث حضرت ابو عبیدہ ان کے فرزند تھے۔

حضرت زینب سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں جو انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہیں۔

حضرت جمانہ بنت ابی طالب

حضرت ابو طالب بن عبد المطلب کی بیٹی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہمشیر تھیں اس لحاظ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے رحمۃ اللعالمین جلد دوم میں بیان کیا ہے کہ اولادِ ابی طالب میں جمانہ کا نام ملتا ہے۔ مگر ان کے حالات سے کوئی آگاہی نہیں ملتی، ابن اسحاق امام اہل السیر نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور وہیں ان کی والدہ جمانہ بنت ابی طالب کے لیے مقرر فرمائی تھیں۔ اس فقرہ

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خلعت اسلام سے مشرف تھیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح خیبر تک وہ حیات تھیں۔

حضرت اُمّ بانیؓ بنت ابی طالب

ان کا نام بہ اختلاف روایت فاختہ یا فاطمہ یا ہند تھا، کنیت اُمّ بانیؓ پر سب اہل بیت کا اتفاق ہے۔

عُمّ رسول حضرت ابی طالب کی دختر تھیں۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ حضرت جعفر طیارؓ، طالب، عقیل اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اُمّ بانیؓ کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب (بن عمرو بن عابد بن عمران بن مخزوم) مخزومی سے ہوا۔ ہبیرہ بن ابی وہب فتح مکہ کے وقت مالِ شَرک میں بنجران کی طرف بھاگ گیا۔ بنجران سے اس کی واپسی اور قبول اسلام کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی۔

حضرت اُمّ بانیؓ کے قبول اسلام پر سب اہل بیت کا اتفاق ہے۔ لیکن اس کے رہنے کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر سعادت اندوز اسلام ہوئیں اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھیں۔ البتہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔

فتح مکہ کے سلسلہ میں حضرت اُمّ بانیؓ سے متعلق روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ

۱۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ہبیرہ بن ابی وہب نے مکہ سے اپنے فرار کے موقع پر یہ اشعار کہے (یا بنجران پہنچ کر وہاں سے لکھ بھیجے)

لعمرك ما دليت ظهري مُحَمَّداً واصحابه جبنا ولا خيفة القتل

ولكنني قلبت امري فلم اجد لسيقي غدا ان ضربت ولا نبيل

وقفت فلما خفت ضيقة موقعي رجعت لعود كالهدى برالى اشبل

تیسری قسم میں نے محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ کے سامنے سے بوجہ نامردی اور خوف قتل پیٹھ نہیں پھیری بلکہ میں نے دیکھا کہ میرا کام اُلٹ گیا اور میری تلوار اور میرے تیراب کچھ کام نہیں بنا سکتے۔ جب تک میں نے اپنی جائے قیام تنگ نہ دیکھی ٹھہرا رہا پھر پلٹ آیا جس طرح خیر اپنے بچوں کی طرف لوٹتا ہے۔

پہلے ہی مشرت بہ اسلام ہو چکی تھیں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عقیدت اور محبت رکھتی تھیں۔ حضور کو بھی ان کا بے حد لحاظ اور خیال تھا، چنانچہ جن مشرکوں کو حضرت اُمّ بانیؓ نے اپنے گھر میں پناہ دی حضورؐ نے بھی ان کو پناہ دے دی۔ مزید برآں آپ بنفس نفیس حضرت اُمّ بانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں نماز پڑھی۔

مسند احمد حبل میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر عمارت بن ہشام مخزومی اور زہیر بن امیہ مخزومی (حاکمؒ نے زہیر کی جگہ عبداللہ بن ابی ربیعہ لکھا ہے) حضرت اُمّ بانیؓ کے گھر میں پناہ لیا ہوئے۔ حضرت علیؓ کو تم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو وہ شمشیر بدست اپنی ہمیشہ کے گھر پہنچے۔ اور یہ کہہ کر دونوں مخزومیوں کو قتل کرنا چاہا کہ یہ واجب القتل قرار پائے ہیں۔ حضرت اُمّ بانیؓ نے کہا کہ انھوں نے میرے ہاں پناہ لی ہے اور میں ان کو ہرگز قتل نہ ہونے دوں گی۔ پھر اپنا دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد اُمّ بانیؓ دونوں مخزومیوں کو ساتھ لے کر باغداد رسالت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے حضرت اُمّ بانیؓ کو دیکھ کر فرمایا: مرحبا و اہلاً یا اُمّ بانی۔ کیسے آنا ہوا؟ حضرت اُمّ بانیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ان دونوں کو پناہ دی ہے اور علیؓ ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا، جس کو تو نے پناہ دی، اس کو میں نے بھی پناہ دی۔

اس واقعہ کے بعد عمارت بن ہشام اور زہیر بن امیہ دونوں صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں خود حضرت اُمّ بانیؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں، میں نے کوئی نماز اس سے ہلکی اور مختصر نہیں دیکھی لیکن آپ رکوع اور سجدہ پوری طرح کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں حضرت اُمّ بانیؓ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ چاشت کا وقت تھا (یا یہ چاشت کی نماز تھی)

مسند ابوداؤد اور سنن دارمی میں حضرت اُمّ بانیؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے۔ ایک خادمہ ایک برتن لے کر حاضر ہوئی جس میں پیسٹل کوئی چیز تھی (بعض روایتوں کے مطابق یہ مشربت تھا) خادمہ نے وہ برتن آپ کو دے دیا۔ آپؐ نے تھوڑا سا پی کیا اور پھر مجھے دے دیا۔ میں نے

اس کو پی لیا اور پھر عرض کیا، یا رسول اللہ میں روزہ سے ہفتی اور میں نے پی لیا۔ آپ نے پوچھا، کیا تم نے کوئی قضا روزہ رکھا تھا میں نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر یہ روزہ نفل تھا تو کچھ حرج نہیں۔

مسند احمد اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اُمّ ہانیؓ نے کہا، یا رسول اللہ میں روزے سے ہفتی، آپ نے فرمایا، نفل روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے چاہے روزہ رکھے چاہے نہ رکھے۔ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اُمّ ہانیؓ سے روزہ توڑنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں آپ کا جھوٹا واپس نہیں کر سکتی تھی۔ اس روایت سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اُمّ ہانیؓ فتح مکہ سے پہلے شرف ایمان سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اور روزے رکھا کرتی تھیں۔ وہاں حضورؐ سے ان کی عقیدت اور محبت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ ہانیؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ یا رسول اللہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور میرے بچے ہیں (جن کی پرورش میرے لیے ضروری ہے) اس موقع پر حضورؐ نے خواتین قریش کے بارے میں فرمایا کہ شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں۔ بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ ہانیؓ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے فرمایا۔ اُمّ ہانیؓ بکری لے لویہ بابرکت جاتا رہے۔

امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اُمّ ہانیؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں، چلنے پھرنے میں کمزوری محسوس ہوتی ہے کوئی ایسا وظیفہ بنا دیجیے جسے بیٹھے بیٹھے پڑھ سکوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک سو مرتبہ سبحان اللہ ایک سو مرتبہ الحمد للہ ایک سو مرتبہ اللہ اکبر اور ایک سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ لیا کرو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اُمّ ہانیؓ حضورؐ سے فقہی مسائل اور قرآن حکیم کے مطالب دریافت کیا کرتی تھیں۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُمّ ہانیؓ نے امیر معاویہؓ کے زمانہ حکومت

میں وفات پائی۔ اولاد میں عمرو، ہانی، یوسف اور جعدہ مشہور ہیں۔
حضرت اُمّ ہانی فضل و کمال کے لحاظ سے بڑے بلند مرتبہ پر نائز تھیں، ان سے
چھپالیس حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن
سارث، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ اور شعبی جیسے اکابر اُمت شامل ہیں۔

حضرت حولاءؓ

اہلِ بسیر نے ان کے حسب و نسب کی تعریف نہیں کی البتہ ان کے شرفِ صحابیت
پر رب کا اتفاق ہے۔

علامہ ابن اثیر نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے کہ وہ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔
ایک مرتبہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا میرے
شوہر بلا وجہ مجھ سے اعراض کرتے ہیں حالانکہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں۔ بناؤ سنگا
میں بھی کوئی کمی نہیں کرتی لیکن وہ پھر بھی میری طرف توجہ نہیں کرتے اور منہ پھیر لیتے ہیں (بعض
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کو حضرت حولاءؓ کی شکایت کا علم ہوا تو آپ
نے ان سے فرمایا: ”جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو“

مسند احمد حنبلی میں ہے کہ حضرت حولاءؓ کو عبادتِ الہی سے بے حد شغف تھا۔
ساری ساری رات نمازیں پڑھنے میں گزار دیتی تھیں۔ ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ حضرت حولاءؓ سامنے سے
گزر دیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! یہ حولاءؓ ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ یہ رات
بھر نہیں سوتیں اور برابر نمازیں پڑھا کرتی ہیں۔ حضورؐ نے تعجب سے فرمایا۔ رات بھر نہیں
سوتیں؟ انسان کو اتنا کام کرنا چاہیے جسے ہمیشہ کسی تکلیف کے بغیر نباہ سکے۔
حضرت حولاءؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

انتقید المسائل مؤلفہ: شیخ اکل محدث زماں استاذ العلماء
حضرت العلام حافظ محمد صاحب گوند لوی (قیمت :- ۶/۵۰ روپے)

حکیم محمد اسلم۔ اگر امید و اخاندہ۔ گوند لاولہ روڈ۔ گوجرانوالہ

تعارف و تبصرت کتب

(۱) فقہائے ہند	(جلد چہارم - حصہ اول)
مؤلف :	محمد اسماعیل بھٹی
ناشر :	ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب، روڈ لاہور
صفحات :	۲۸۰

۱۶/- روپے

قیمت

ادارہ ثقافت اسلامیہ کے رفیق اور ملک کے معروف اہل قلم جناب محمد اسماعیل بھٹی صاحب برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ کے موضوع پر گزشتہ چند سالوں سے کلم کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے قلم سے فقہائے ہند کا ایک جامع تذکرہ سامنے آ رہا ہے جس کی پہلی جلدوں پر ”محدث“ میں تبصرو کیا جا چکا ہے۔

جلد چہارم گیارھویں صدی ہجری کے فقہاء کے احوال و آثار پر مشتمل ہے۔ یہ زمانہ علمی اعتبار سے برصغیر کا زرخیز زمانہ تھا۔ اس صدی میں فقہاء و علماء کی برفیوں علمی خدمات کا حلقہ اثر دو دور تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور فقہاء کی تعداد بھی پہلی صدیوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ایک ہی حصہ میں پورا کام نہ سمیٹا جاسکا۔ زبرد نظر پہلے حصہ میں ۱۲۶ فقہاء کے احوال و آثار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حالات نسبتاً تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

حسب سابقہ مقدمہ میں گیارھویں صدی ہجری کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جلیل الدین اکبر کی مذہبی زندگی کا بھرپور تجزیہ کیا گیا ہے۔ فاضل مؤلف اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اکبر ابتدا میں علماء و صوفیاء کی محفلوں میں حاضری دیتا تھا اور خوش عقیدہ قسم کا مسلمان تھا۔ بعد میں اپنی کم علمی کی بنا پر جھٹک گیا اور اس کے عقائد و عمل میں فساد پیدا ہو گیا تاہم آخر میں وہ

بحیثیت مسلمان فوت ہوا۔ ان کے اخذ کردہ نتائج سے جزوی طور پر اختلاف کیا جاسکتا ہے۔
مگر ان کی محنت اور تجزیاتی مطالعہ کی داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔
”فقہائے ہند“ کی تمام جلدوں میں ایک کمی بطور خاص کھٹک رہی ہے اور وہ اشاریوں
کی عدم موجودگی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اشاریے تیار کرنے میں مؤلف کو خاصا وقت
دینا پڑتا ہے لیکن قاری کا بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔ امید ہے اس کی طرف توجہ دی جائے گی۔
(الوشاہد)

(۲) فقہائے ہند

تالیف

مولانا محمد اسحاق صاحب بھٹی

ضمیمت

۳۵۲ صفحات درمیانہ سائز

کاغذ، کتابت، طباعت، گوارا

۲۴/- روپے

قیمت

ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

ناشر

پاکستان اور بھارت کے علمی حلقوں میں مولانا محمد اسحاق صاحب کا نام کسی تعارف
کا محتاج نہیں۔ وہ دورِ حاضر کے ان اربابِ فضل و کمال میں سے ہیں۔ جن کو فنا فی العلم کہا
جائے تو بے جا نہ ہوگا، ان کے رشحاتِ قلم نے ایک طرف اگر ہمارے علمی اور تحقیقی سرمایہ میں
گراں قدر اضافہ کیا ہے تو دوسری طرف اردو زبان کی بے پناہ خدمت انجام دی ہے۔
مولانا موصوف مدت سے متحدہ ہندوستان کے علماء، فقہاء اور صوفیہ کے صدی وار حالات
رتب کر رہے ہیں۔ اس سے قبل سینکڑوں علماء و فقہاء کے حالات پر مشتمل اس کتاب کی
چار جلدیں شائع ہو کر اہل نظر سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ یہ اس سلسلے کی پانچویں جلد
کا پہلا حصہ ہے۔ اس میں بڑا کچھ پاک و ہند کے بارہویں صدی ہجری کے ۱۶۲ علماء فقہاء
اور صوفیہ کے حالات و سوانح ہیں۔ کتاب کے طویل مقدمہ میں ”ترکیش مارا خدنگ انخوس“
فرما کر اُسے ہند اور نگ زیب عالمگیر کی علمی اور علمی زندگی کا بڑے دلکش انداز میں احاطہ کیا
گیا ہے اس نے کتاب کی افادیت میں دو چند اضافہ کر دیا ہے۔ کتاب کا طرزِ نگارش بڑا
سادہ اور دلچسپ ہے۔ فاضل مؤلف نے یہ حالات مرتب کرنے میں تحقیق و تفحص کا حق
ادا کر دیا ہے، اس سلسلے میں ان کی دیدہ ریزی اور جاذبِ کاہی کی جس قدر ستائش بھی کی

جائے کم ہے۔ یہ سارا سلسلہ کتب ہر لحاظ سے مطالعہ کے قابل ہے اور کوئی پڑھا لکھا گھرانہ اور کتب خانہ اس سے خالی نہیں رہنا چاہیے۔
 کتاب میں کسی کسی جگہ حروف اڑ گئے ہیں اور بعض جگہ کتابت کی غلطیاں بھی کھٹکتی ہیں۔
 ہماری ناچیز رائے میں جس اونچے درجے کی یہ کتاب ہے اس کی کتابت و طباعت اس سے طاقت نہیں رکھتی (بس گوارا ہے) امید ہے آئندہ ایڈیشن میں یہ خامیاں دگر کردی جائیں گی۔

(حیات و افکار)

(۳) سید جمال الدین افغانی

جناب شاہ حسین رزاقی صاحب

مصنف

درمیانہ

سائز

۲۰۴ پیپر بیک

صفحات

عمدہ

کاغذ، کتابت، طباعت

۱۵/- روپے

قیمت

ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

ناشر

علامہ سید جمال الدین افغانی کا شمار گزشتہ صدی کے ان مسلم کاہر میں سرفہرست ہوتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ملی شعور کو بیدار کرنے کے لیے مجاہدانہ تنگ و تنازکی۔ سید موصوفی تحقیقت ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے باقی اور معمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے مثل اوصاف و محاسن اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان کا ظہور ایسے وقت میں ہوا جب مغربی استعمار انتہائی عروج پر تھا اور دنیا بھر میں اسلام بڑی تیزی سے روبرو نروال تھی نہ اس میں قومی استحکام تھا اور نہ اس کو اپنے شاندار ماضی کا احساس تھا۔ یہ علامہ کی دینی بصیرت، سیاسی فہم و فراست، قوت ایمانی اور زبردست جدوجہد ہی تھی جس نے تمام علم اسلام میں بیداری کی لہر دوڑادی اور اس میں مغربی استعمار کے چنگل سے آزاد ہونے کا بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا

اپنے مقصد کے حصول کے لیے علامہ کو بے شمار مصائب و آفات کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور مرتے دم تک ملت اسلامیہ کی اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں رہے۔
 جناب شاہ حسین رزاقی صاحب نے اس کتاب میں علامہ موصوفی کی زندگی، افکار اور جدوجہد کے حالات نہایت بلیغ انداز میں بیان کیے ہیں۔ ان کے اسلوب نگارش میں غضب کی روانی

سلامت اور تاثیر ہے۔ کتاب کے چند صفحات ہی پڑھ کر قادی علامہ کی یگانہ مردزگار شخصیت کا اندازہ کر لیتا ہے اور ان کی عظمت کا نقشب اس کے لوح دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ جناب مصنف اور ادارہ ثقافت اسلامیہ دونوں اس کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے تبریک و تائش کے مستحق ہیں۔ آج ہمیں ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے جو قوم کے جذبات کو ہمیز لگا سکیں اور اس کتاب کا شمار بلاشبہ ایسی ہی کتابوں میں کیا جاسکتا ہے۔ قوم ملت کے ہر بہی خواہ کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔

(طالب ہاشمی)

مجلس التحقیق الاسلامی پاکستان کے زیر اہتمام خصوصی علمی اجلاس

فائیلین دینی مدارس کی تربیت گاہ المجمع الاسلامی ۹۹-۱۰۰ ماڈل ٹاؤن لاہور میں فضیلۃ الشیخ محمد ابراہیم آل قعود ڈاکٹر کٹر جنرل ادارہ دعوت و ارشاد (سعودی عرب) نے مورخہ ۱۲ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ ۲۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو خصوصی علمی اجلاسوں کا افتتاح فرمایا تھا جو کچھ اللہ باتا عبادی رہا اس سلسلہ میں بعض خاص موضوعات پر بعد عطر مغرب جہان مقرین کے کڑوس (دیکھو) کا بھی انتظام کیا گیا ہے جس میں بیرونی شائقین علم بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ پروگرام حسب ذیل ہے۔

تاریخ	موضوع	مقررین	مہمان خصوصی
۲۳ اپریل ۱۹۹۸ء	تعلیم میں تربیت کا کردار	مولانا علی حنفیہ	شیخ ناصر راجح ایجوکیشنل اتاشی سعودی عرب (پاکستان)
۲۴ اپریل ۱۹۹۸ء	اسلام میں فلسفہ اور تصوف	مولانا حنفیہ ندوی	جسٹس (ریٹائرڈ) اے۔ آر۔ چنگیز
۲۵ مئی ۱۹۹۸ء	اسلامی مالکیت پر بی بی ریکارڈ	مولانا فیصل حامی	ڈاکٹر عبداللہ ڈاؤنڈ ڈاکٹر کٹر پبلک انٹرکشن پنجاب
۲۶ مئی ۱۹۹۸ء	حیثیت ہندو پاک میں علم حدیث	مولانا محمد سحیح بیٹی	جسٹس (ریٹائرڈ) بدیع الزمان کیک کاؤس
۲۷ مئی ۱۹۹۸ء	اسلام اور سائنسی ترقی	ڈاکٹر عبدالمعتمد	جسٹس (ریٹائرڈ) بشیر الدین احمد
۲۸ مئی ۱۹۹۸ء	فقہ اسلامی کی تشکیل و تفسیر	سید فیض الحسن گیلانی	جناب ایس۔ ایم۔ ظفر بانی مرکزی فذیر قانون پاکستان
۲ جون ۱۹۹۸ء	اسلامی کتب خانے اور ان کا انتظام	جناب جلیل احمد ندوی	جناب حاجی غیاث محمد سابق ائڈر فی جنرل پاکستان
۱۱ جون ۱۹۹۸ء	تحریک پاکستان کا پس منظر اور پس منظر	پروفیسر محمد جگر وال	ڈاکٹر سید عبداللہ جیمین اردو دائرہ المعارف پنجاب یونیورسٹی لاہور
۱۲ جون ۱۹۹۸ء	فہم قرآن اور تفسیر	پروفیسر غلام احمد حری	شیخ عبدالعزیز آل عتیق ڈاکٹر ادارہ دعوت و ارشاد سعودی عرب (پاکستان)

الداعی، حافظ عبدالرحمن مدنی عمید مجمع الاسلامی لالہ راسا علیا المندرستہ الرحمانیہ ماڈل ٹاؤن لاہور